اکتوبر ۱۹۹۵ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے ضمن میں

ان کے تاریخی اور نظریاتی پس منظر کے حوالے سے ایک عم

اور اس کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی اہم پیشکش

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

رفقاء واحباب تنظیم اسلامی اور معاونین تحریک خلافت پاکستان کے لئے اطلاع

تنظیم اسلامی پاکستان کا

بیسواں سالانہ اجتماع

ان شاء اللہ العزیز

جمعۃ المبارک 20/اکتوبر تا اتوار 22/اکتوبر 1995ء

بمقام اقبال پارک (مینار پاکستان) لاہور منعقد ہو گا

☆ اجتماع کا آغاز اقبال پارک میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب قبل از نماز جمعہ سے ہو گا۔ یہ خطاب ساڑھے گیارہ بجے شروع ہو گا' لہٰذا تمام شرکاء اجتماع کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ دس بجے سے قبل اجتماع گاہ میں پہنچ جائیں۔

☆ اجتماع کے دوران تمام شرکاء اجتماع گاہ ہی میں قیام کریں گے۔ کھانے کا انتظام ہر حلقہ کے لئے مقرر رہائش گاہ میں ہو گا۔

☆ جمعہ اور ہفتہ بعد نماز عشاء "کل پاکستان احیائے خلافت کانفرنس" کا اہتمام ہو گا جس میں رفقاء تنظیم کے علاوہ مہمان مقررین بھی خطاب فرمائیں گے۔

☆ رفقاء کی راہنمائی اور سہولت کے لئے 20/اکتوبر کو صبح سے دوپہر 12 بجے تک لاہور ریلوے اسٹیشن پر استقبالیہ کیمپ قائم ہو گا۔

تمام رفقائے تنظیم اسلامی پاکستان کے لئے اس اجتماع میں شرکت لازمی ہو گی

المعلن : چودھری غلام محمد' معتمد عمومی تنظیم اسلامی پاکستان

(اس ضمن میں تفصیلی ہدایات آخری اندرونی ٹائٹل پر ملاحظہ فرمائیں)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۴
شمارہ: ۱۰
جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
اکتوبر ۱۹۹۵ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۵۸۶۹۵۰۲-۵۸۶۹۵۰۱

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی- فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ——— ۳
حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۷
مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے ضمن میں
ان کے تاریخی و نظریاتی پس منظر کے حوالے سے ایک عملی تجویز
اور اس کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی اہم پیشکش
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ دعوت و تحریک ——— ۵۱
انفرادی دعوت (۲)

☆ فکرِ فردا ——— ۶۷
تنظیم اسلامی کے داعی اور موسس کے بعد کیا؟ اور کون؟
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ گوشۂ خواتین ——— ۷۲
تہذیب الاطفال
بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

تنظیم اسلامی کا بیسواں سالانہ اجتماع' ان شاء اللہ العزیز' ۲۰ تا ۲۲/ اکتوبر ۹۵ء منعقد ہو گا۔ اسی شمارے کے اندرونی ٹائٹل پر اس کا تفصیلی اعلان ضرور قارئین کی نظر سے گزرا ہو گا۔ تنظیم کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ یہ اجتماع کسی کھلی جگہ' پبلک کے سامنے کیا جا رہا ہے۔ ابتدائی سالوں میں قرآن اکیڈمی کی محدود گنجائش بھی تنظیم کے سالانہ اجتماع کے لئے بہت کافی ہوتی تھی۔ جامع القرآن کا ہال اجتماع گاہ کا کام دیتا اور اس کے ہاسٹل اور دیگر کمروں میں رفقاء کے ٹھہرنے کا انتظام ہوتا---- تنظیم کے رفقاء کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ قرآن اکیڈمی کا دامن تنگ پڑنے تک قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم کی عمارات کی تعمیر ہو چکی تھی۔ لہٰذا سالانہ اجتماع کے لئے کھلے میدان کا سوچنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس دوران ۱۹۸۸ء میں ایک ایسا موقع آیا تھا جب اجتماع کھلے میدان میں ہوا۔ لیکن اس کی نوعیت اس اعتبار سے مختلف تھی کہ ہمارے ایک رفیق کی دعوت پر ایک دور دراز کے گاؤں میں اس کا انعقاد ہوا جس کا سارا انتظام انہوں نے اپنے ذمے لیا تھا' گویا پبلک کے سامنے تنظیم اسلامی کی رونمائی اس کے ذریعے نہیں ہو سکی۔ اب پچھلے دو سالوں سے قرآن آڈیٹوریم بھی اپنی تنگ دامانی پر شاکی نظر آنے لگا تھا' لہٰذا حالات کے جبر نے ہمیں اس فیصلے پر مجبور کیا کہ اب ہمیں اکیڈمی اور آڈیٹوریم کی چار دیواری سے نکل کر کھلے میدان میں اجتماع کرنا ہو گا۔ تنظیم اسلامی کی دعوت اب جس مرحلے میں ہے اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ یہ اجتماع اب کسی نمایاں پبلک مقام پر ہو تاکہ تنظیم اسلامی کا تعارف ایک بڑے حلقے میں ہو سکے--- گو ہم جانتے ہیں کہ اس طور سے اجتماع کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے' لیکن اللہ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر مینارِ پاکستان سے ملحق میدان میں اس کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ ہمیں قوی امید ہے کہ یہ اجتماع عوام کو تنظیم اسلامی سے متعارف کرنے کا ایک مفید اور موثر ذریعہ ثابت ہو گا۔

جماعتوں کی زندگی میں "سالانہ اجتماع" کی خصوصی اہمیت ہوتی ہے۔ اس سالانہ اجتماع پر تنظیم کی تاسیس کو بیس برس مکمل ہو جائیں گے۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ جائزہ لینا ہو گا کہ ان بیس سالوں میں ہم نے کتنی کچھ پیش رفت کی۔ کہیں منزل تک جلد پہنچنے کی خواہش نے ہمیں اپنے اصل راستے سے بچلا تو نہیں دیا؟---- ہمیں اس موقع پر تصورِ فرائض دینی پر مشتمل اس فکر کو پھر تازہ کرنا ہے جو اس اجتماعیت کی بنیاد ہے' ہمیں اپنے گرد و پیش نگاہ دوڑا کر حالات

حاضرہ کا ادراک بھی کرنا ہے اور اس حوالے سے یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہمیں آج کس کس چیلنج کا سامنا ہے! ہمیں اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ سے کئے ہوئے عہد بندگی کو بھی تازہ کرنا ہے اور بیعت جہاد کی صورت میں اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے سمع وطاعت کا جو عہد اپنے امیر سے کیا تھا' اس کے نقوش بھی از سرنو ابھارنے ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سالانہ اجتماع کے موقع پر ہمیں ملک کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے رفقاء سے ملاقات اور تعارف کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ اپنے ہم سفر ساتھیوں کے جوش اور جذبے کو دیکھ کر ہمیں بھی حوصلہ ہوتا ہے کہ انتہائی ناموافق حالات میں کچھ اور سرپھرے بھی ہیں جو غلبہ دین حق کے آرزو دل میں لئے ماحول سے نبرد آزما ہیں۔ ہم مقصد ساتھیوں کی رفاقت ہمیں نئے عزم اور حوصلے سے ہمکنار کرتی ہے۔

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

فلک کی گردش پہلے کے مقابلے میں بہت تیز ہو چکی ہے۔ اب وہ بات نہیں رہی کہ ع "وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ' یہاں بدلتا نہیں زمانہ!" اس معاملے میں مشرق و مغرب کا فرق اب مٹ چکا ہے۔ اب یہاں بھی لحظہ لحظہ دگرگوں ہے۔ ہم دجالی فتنے کے دور میں جی رہے ہیں۔ مادہ پرستی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ مادی اسباب و وسائل اور مادی سہولتوں کا حصول ہر فرد بشر کی زندگی کا مقصد اول بن چکا ہے' خواہ عیسائی ہو یا مسلمان' اور ہندو ہو یا سکھ!--- بلکہ مسلمان اس دوڑ میں دوسروں کو بہت پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ اس کی ہوس دنیا پرستی اب دیوانگی کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ حال ہی میں ہونے والے ایک سروے میں تمام ممالک میں سب سے زیادہ کرپٹ ملک انڈونیشیا کو قرار دیا گیا اور دوسرے یا تیسرے نمبر پر یہ "اعزاز" پاکستان کو حاصل ہوا ہے۔ رشوت' خیانت اور بددیانتی میں کوئی اور قوم ہمارے ہم پلہ نہیں!!

ہماری حکومت اپنے مغربی آقاؤں کے سامنے دست بستہ ہی نہیں کھڑی باقاعدہ سجدہ ریز ہے۔ عوام جائیں جہنم میں' اگر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی طرف سے نازل شدہ وحی میں بجلی کے نرخ میں اضافہ کا حکمنامہ جاری ہوا ہے تو لامحالہ ان نرخوں میں اضافہ ہو کر رہے گا۔ خواہ ایک عام شہری کے اعصاب پر یہ خبر برق بن کر گرے اور اس کے محدود معاشی وسائل ہوش ربا گرانی کے مقابلے میں پہلے ہی ہاتھ کھڑے کر چکے ہوں۔ وہ حرام سے کمائے یا حلال ذرائع سے'

حکومت وقت کو اس بحث سے کوئی سروکار نہیں' آسمان امریکہ سے اترنے والے ہر حکم کی تعمیل ہمارے حکمرانوں کی ترجیح اول ہے۔

ہمارا معاشرہ بہت سے اعتبارات سے Breaking Point تک پہنچا ہوا ہے--- گویا وہ حالات پیدا ہو چکے ہیں جو کسی انقلاب کے لئے سازگار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ توقع کرنا کہ موجودہ بحرانی صورتحال کی کوکھ سے اسلامی انقلاب برآمد ہو سکتا ہے محض خوش فہمی ہے۔ اس لئے کہ پاکستان کے موجودہ حالات کیمونسٹ انقلاب کے لئے تو سازگار ہو سکتے ہیں لیکن افسوس کہ اسلامی انقلاب کے لئے یہاں تاحال خاطر خواہ طور پر میدان ہموار نہیں کیا گیا۔ اس جرم میں اگرچہ تمام مسلمانان پاکستان ہی کم و بیش شریک ہیں تاہم اس کی سب سے بڑی مجرم وہ دینی جماعتیں ہیں جو گزشتہ پچاس سال سے سیاست کے میدان میں سرپٹخ رہی ہیں۔ کیمونزم اگر اپنی موت نہیں مرا تب بھی یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ کیمونزم کا جن واپس بوتل میں جا چکا ہے--- نیو ورلڈ آرڈر کے لئے میدان خالی ہے۔ اب اس کے ذہن سے کیمونزم کا خوف اتر چکا ہے۔ اسے اطمینان ہے کہ اب کسی ملک میں سرمایہ دار طبقہ عوام کا خواہ کتنا ہی استحصال کرے اور ان کی پروردہ حکومت عوام کے لئے خواہ کیسے ہی قافیہ حیات تنگ کرے' مستقبل قریب میں وہاں کیمونسٹ انقلاب کے آنے کا کوئی امکان نہیں لہٰذا اب اسے کھل کھلنے کا پورا موقع حاصل ہے۔ سودی معیشت پر مبنی بدترین استحصالی سرمایہ دارانہ نظام ہر طرف اپنے خونیں پنجے گاڑ چکا ہے۔ رزق کے دروازے صرف اس کے لئے کھلے ہیں جو سود کو شیر مادر کی طرح حلال سمجھے اور سودی نظام کو فروغ دینے پر کمربستہ ہو جائے۔ حلال پر قناعت کرنے اور سود سے بچنے کی کوشش فاقوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

معیشت میں سود اور معاشرت میں عریانی و فحاشی' دجالی نظام کے دو موثر ترین ہتھیار ہیں۔ دجال اپنے ان دونوں ہتھیاروں کو بڑی کامیابی سے استعمال کر رہا ہے۔ عریانی' فحاشی' اور جنسی بے راہ روی کا سیلاب گھروں میں نقب لگا کر داخل ہو چکا ہے۔ تمام اشیائے صرف اور ضروریات زندگی مہنگی سے مہنگی تر ہو رہی ہیں' ہاں ایک ڈش انٹینا ہے کہ جس کے نرخ روز بروز کم ہو رہے ہیں۔ کوئی ارزانی سی ارزانی ہے!!--- اور یہ ارزانی بلاسبب نہیں ہے۔ نور ایمان سے محروم مسلم امہ کی بچی کھچی قوت کا اصل راز اس کے خاندانی نظام میں پوشیدہ ہے۔ اس نظام میں دراڑیں ڈالنے کا یہ حربہ یہودی اس سے پہلے بھی بڑی کامیابی کے ساتھ آزما چکے ہیں۔ فحاشی و عریانی اور جنسی بے راہ روی کو فروغ دے کر وہ اس سے قبل مغرب کا خاندانی نظام تباہ و برباد کر

چکے ہیں۔ یہود کی ان توپوں کا رخ اب مشرق کی جانب ہے۔ قاہرہ کانفرنس کے بعد اب بیجنگ کانفرنس---وہ قدم بقدم اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ایسے میں نیکی اور حق کے علمبرداروں کے لئے امتحان بہت سخت ہو چکا ہے۔ ہم فتنہ سامانی کے اس دور میں جی رہے ہیں جس سے ہر نبی اور رسول نے پناہ مانگی ہے۔ قافلہ حق کے مسافروں کو بڑے سخت چیلنج کا سامنا ہے۔ یہ وقت کمر ہمت کسنے اور مشعلوں کو تیز کرنے کا ہے' یہ عزم اور حوصلے کے امتحان کی گھڑی ہے۔ شیطانی طاقتیں بڑے منظم انداز میں' تعاون باہمی کا ثبوت دیتے ہوئے' بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہیں۔ ان کی یلغار کو روکنا آسان نہیں۔ جوش کے ساتھ ساتھ ہوش کا بھی بہت بڑا سرمایہ درکار ہے۔ ضرورت ہے کہ نیکی کے علمبردار اور حق کے پرستار مل جل کر آگے بڑھیں اور پھر اجتماعی جدوجہد کے ذریعے دجالی فتنے کے سیلاب کا راستہ روکنے کی کوشش کریں۔ اللہ کا دین آج اپنوں کے درمیان اجنبی ہو چکا ہے۔ مسلمان تو ہر طرف موجود ہیں مگر دین اسلام کا کہیں پتہ نہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے خود بھی اجنبی بننا گوارا کریں۔ اپنی معاشرت اور معیشت میں اسلام پر صحیح معنوں میں کاربند ہونے والے کو اس کی اپنی برادری والے پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔ مسلمان معاشرے میں رہتے ہوئے آج دین اسلام پر پورے طور پر کاربند رہنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس امتحان سے گزرے بغیر غلبہ و اقامت دین کی منزل سر کرنے کی خواہش فریب نفس کے سوا کچھ نہیں۔ راہ حق کے راہیوں کو ان تمام امتحانات کے لئے ذہناً تیار رہنا ہو گا!

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے سالانہ کنونشن میں شرکت کے بعد امریکہ سے رخت سفر باندھ چکے ہیں۔ واپسی کے سفر میں انہیں ایک ہفتہ لندن میں قیام کرنا ہے' جہاں رفقاء تنظیم شدت کے ساتھ ان کے منتظر ہیں۔ اسا کنونشن کے ساتھ ہی تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کا پہلا کنونشن منعقد ہوا۔ اس کی باتصویر رپورٹ ہمیں امریکہ سے موصول ہو چکی ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ "ندائے خلافت" میں اسے شامل کر لیا جائے گا۔

☆ ☆ ☆

کاغذ کی قیمت میں مسلسل اضافے اور ہوش ربا گرانی کے باعث ہمیں بالآخر "میثاق" کی قیمت میں اضافے کا فیصلہ کرنا پڑا ہے۔ ہم ہرگز یہ اعلان کرتے ہوئے کوئی خوشی محسوس نہیں کر

(باقی صفحہ ۷۰ پر)

"مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے ضمن میں

ان کے تاریخی اور نظریاتی پس منظر کے حوالے سے ایک عملی تجویز

اور اس کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی اہم پیش کش!"

امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد کا فکر انگیز خطاب

(بتاریخ ۲۵ دسمبر ۹۵ء' بمقام مسجد دارالسلام لاہور)

خطبہ مسنونہ' آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

حضرات! آج میں ایک بہت اہم موضوع پر' لیکن محض نظری سطح پر نہیں بلکہ عملی پہلو سے' گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اتحادِ اُمّت کا وعظ کہنا بہت آسان ہے۔ اور ہر شخص جو بھی دین اور پاکستان کا بھی خواہ ہے یہ اس کے دل کی آواز ہے کہ تمام دینی جماعتوں کو جمع ہو جانا چاہئے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ یہ بیل منڈھے چڑھے کیسے؟ اس میں کوئی ابتدائی قدم کونسا ہو سکتا ہے؟ اس اعتبار سے اِس وقت میں قرآن حکیم کے مختلف مقامات سے پانچ آیات کے ٹکڑے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ پہلے ان کا کسی قدر مفہوم سمجھ لیجئے۔ سب سے پہلے سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کا ابتدائی جزو' جو اس آیۂ مبارکہ کا جزوِ اعظم ہے' ملاحظہ فرمائیں :

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾

"(اے مسلمانو!) ہم نے تمہارے لئے از قسمِ دین (یا دربارۂ دین) وہی مقرر کیا ہے کہ جس کی ہم نے وصیت کی تھی نوح کو اور جس کی وحی کی ہے ہم نے (اے محمد ﷺ)

آپ کی جانب اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کہ قائم کرو دین کو اور اس کے بارے میں ٹکڑے ٹکڑے مت ہو جاؤ"۔

"دین" اور "شریعت" کا فرق

سورۃ الشوریٰ کی یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین آیات میں سے ہے اور "اتحادِ اُمّت" کے ضمن میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس موضوع پر چونکہ مجھے آج بہت طویل مضمون cover کرنا ہے لہٰذا میں اس آیت پر آج زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتا۔ کچھ ہی عرصہ قبل میں نے اِسی جگہ اہلِ تشیع کی خدمت میں کچھ گزارشات جب پیش کی تھیں تو اس پر تفصیل سے گفتگو ہوئی تھی۔ میری وہ تقریر "میثاق" کے علاوہ ایک کتابچے کی صورت میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اِس وقت صرف حوالہ دینا مقصود ہے۔

"شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ" کے دو ترجمے ہیں۔ ایک ترجمے کی رُو سے مفہوم یہ ہو گا کہ تمہارے لئے بھی دین وہی مقرر کیا ہے جو حضرات انبیاء و رُسل نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا تھا۔ گویا کہ دین ایک ہے۔ دوسرا ترجمہ یہ ہو گا کہ دین کے بارے میں تم پر بھی وہی بات فرض کی گئی ہے جو نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پر فرض کی گئی تھی' یعنی "اَقِيْمُوا الدِّيْنَ" کہ دین کو قائم کرو' البتہ یہ دونوں ترجمے مفہوم کے اعتبار سے ایک ہی بن جائیں گے کیونکہ سارا زور ان الفاظ پر ہے: "اَقِيْمُوا الدِّيْنَ" (دین کو قائم کرو) "وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ" (اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ!) یہاں پر "فِيْهِ" کا لفظ بہت اہم ہے۔ اکثر لوگوں نے اس "فِيْهِ" کا حق ادا نہیں کیا ہے اور سمجھا ہے کہ جیسے بعض دوسرے مقامات پر "وَلَا تَتَفَرَّقُوْا" اور "وَلَا تَفَرَّقُوْا" کے الفاظ میں "فرقہ فرقہ ست بنو' گروہوں میں تقسیم مت ہو جاؤ" کی ہدایت دی گئی ہے' شاید اسی طرح کی یہ بھی یک ہدایت ہے۔ لیکن یہاں "فِيْهِ" کا اضافہ ہے' جس کا تقاضا ہے کہ دین میں تفرقہ نہ و۔ دین کیا ہے؟ دین اصلاً نام ہے اس کا کہ حاکمِ مطلق اللہ ہے اور اس کا نمائندہ اس کا سول ہے۔ یعنی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔ اور اسلامی ریاست کا کُل ستور اِن الفاظ مبارکہ میں مضمر ہے۔ اسی حقیقت کو اقبال نے اس طرح پیش کیا ہے۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی، باقی بتانِ آزری

اور

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

چنانچہ دین یہی ہے جو ہمیں "لا الٰہ الّا اللّٰہ محمّدٌ رسولُ اللّٰہ" کے الفاظ میں بتادیا گیاہے اور یہ دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ پہلے موسیٰؑ رسول اللہ تھے، اس سے پہلے ابراہیمؑ نبیّ اللہ تھے۔ رسولوں کے نام بدلتے جائیں گے لیکن کلمہ یہی ہو گا۔ تو دین ایک ہے۔ اور یہاں فرمایا گیا کہ دین کے ٹکڑے نہ کرو۔ دین ایک اکائی ہے، یہ ایک حیاتیاتی وحدت (Organic Whole) ہے، اِس کے حصے بخرے مت کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دین کا ایک حصہ تو اللہ کے تابع ہو اور ایک حصہ ہماری مرضی کے تابع۔ اس کا ایک حصہ ہمارے رواج کے تابع ہو تو ایک حصہ زمانے کے تقاضوں کے تابع۔ اس طرح دین تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ گویا۔

اڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی داستاں میری!

اسی مفہوم کی ادائیگی کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں : "اَلَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ" یعنی "انہوں نے اپنے دین کو پھاڑ ڈالا، دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا"۔ ایک ہے خود متفرق ہو جانا، فرقوں میں بٹ جانا، لیکن "فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ" کی ترکیب میں "دین" مفعول بہٖ ہے۔ یعنی انہوں نے دین ہی کے ٹکڑے کر ڈالے۔

"وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" کے الفاظ میں دو ہدایات دی جا رہی ہیں۔ پہلی یہ کہ دین کی اِس کُلیت اور اس کی ہمہ گیریت اور اس کے ہمہ پہلو ہونے کو برقرار رکھو۔ اس میں تفرقہ نہ ہو، اس میں ٹکڑے نہ ہوں، اس کے حصے بخرے نہ ہوں کہ کچھ اللہ کو دو اور باقی کچھ کسی اور کو دے دو۔ "جو خدا کا ہے خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے قیصر کو دو" کا فلسفہ دین میں تفرقہ کے مترادف ہے۔ "وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" کے الفاظ میں دوسری ہدایت یہ ملتی ہے کہ

اقامتِ دین کے لئے تفرقہ نہ ہو۔ "فِیہ" میں ضمیر مجرور (ہ) یا دین کی طرف جائے گی یا اقامتِ دین کی طرف۔ دین کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ہمیشہ سے ایک رہا ہے' البتہ شریعتیں جدا رہی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور تھی' اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی شریعت اور ہے۔ لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے وہ محمد ﷺ کا بھی وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ دین تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی ہے۔ شریعتوں میں فرق ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ اسی طرح دین اسلام کے اندر مختلف فقہیں اور مسالک مختلف ناموں سے ---- مثلاً فقہ حنفی' فقہ شافعی' فقہ مالکی' فقہ حنبلی اور فقہ جعفری ---- موجود ہیں۔ لیکن ان کو دین میں تفرقے کی بنیاد بنایا جانا بہر صورت غلط ہے۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ کے بعد اب ہم سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۲ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کی چند سورتیں ایسی ہیں کہ جن میں مختلف اعتبارات سے انبیاء کرام کے اسماء گرامی کا بڑا خوبصورت گلدستہ آیا ہے۔ انہی میں سے ایک مقام سورۃ الانبیاء بھی ہے۔ اس میں بہت سے انبیاء و رُسل کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا :

﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾

"بیشک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس تم میری ہی عبادت کرو"۔

یعنی خواہ وہ ابراہیمؑ ہوں' اسماعیلؑ ہوں' اسحاقؑ ہوں' یعقوبؑ ہوں' لوطؑ ہوں' نوحؑ ہوں' داؤدؑ ہوں' سلیمانؑ ہوں' ایوبؑ ہوں' ادریسؑ ہوں' یونسؑ ہوں یا زکریاؑ ہوں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) ان سب کا تعلق ایک ہی ملت سے ہے۔ اور ان سب کو ایک ہی حکم دیا گیا تھا کہ میں تمہارا رب ہوں' تمہیں میرا حکم ماننا ہے' تم میری بندگی کرو۔ اور اسی کا نام دین ہے۔

رسولوں کے "منہاج" مختلف تھے!

اس کے بعد اب سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ کے اس جزو پر توجہ مرکوز کیجئے :

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾

"تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک منہاج مقرر کیا ہے"۔

ظاہر بات ہے کہ اگرچہ تمام انبیاء و رُسل ایک ہی امت سے تعلق رکھتے ہیں' لیکن پھر انبیاء و رسل کی امتیں بھی ہیں۔ حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد (علیہم الصلوٰۃ والسلام) یہ سب ایک اُمّت ہیں' لیکن ایک امّتِ موسوی ہے' ایک امتِ عیسوی ہے اور ایک امتِ محمدی ہے۔ چنانچہ ایک اعتبار سے اگر یہ ساری ایک امت ہے تو دو اعتبارات سے ان میں فرق ہے۔ یہ فرق سورۃ المائدہ کے زیر نظر الفاظ "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا" میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر ہر امت کے لئے دو چیزیں معین کئے جانے کا ذکر ہوا ہے' ایک شریعت اور دوسری منہاج۔ شریعت کی بات تو واضح ہو چکی۔ مثلاً شریعتِ موسوی اور شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جدا جدا ہیں۔ اسی کے تابع ہمارے ہاں فقہیں ہیں۔ لیکن یہ منہاج کا فرق کیا ہے؟ یہ بات میں آج پہلی بار بیان کر رہا ہوں۔

مجھے جب کسی خاص موضوع پر گفتگو کرنی ہوتی ہے اور اس کے اعتبار سے جب میں قرآن حکیم کو دیکھتا ہوں تو کوئی اور نیا پہلو نظر آ جاتا ہے جو اس سے پہلے میری نظر سے مخفی تھا۔ قرآن حکیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ" یعنی "اس قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے"۔ "وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ" بار بار کے پڑھنے سے اس پر کوئی بوسیدگی طاری نہیں ہوگی' اس سے آدمی کا جی نہیں اکتائے گا۔ اسے پڑھتے رہو' پڑھتے رہو تو یہ نئی شان کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ "وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ" اور اصحابِ علم اس سے کبھی سیر نہیں ہو سکیں گے۔ بلکہ علم کی پیاس بڑھتی ہی رہے گی۔

اب آپ نوٹ کیجئے کہ "منہاج" سے کیا مراد ہے؟ کیا تمام رسولوں کا منہاج ایک نہیں تھا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا" کے الفاظ وضاحت کر رہے ہیں کہ جیسے شریعتیں جدا تھیں' ایسے ہی منہاج بھی جدا تھا۔

منہاجِ ابراہیمیؑ : اب ذرا تجزیہ کیجئے کہ منہاجِ ابراہیمیؑ کیا تھا؟ آپؑ نے جگہ جگہ توحید

کی دعوت کے مراکز قائم کئے۔ آپؑ کی زندگی میں کوئی ریاست قائم کرنے کی جدوجہد نظر نہیں آتی۔ آپؑ نے اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عامورہ اور سدوم کی طرف بھیج دیا کہ وہ وہاں جاکر دعوتِ توحید کا ایک مرکز قائم کریں۔ ایک بیٹے اسماعیلؑ کو لا کے حجاز میں آباد کر دیا۔ (رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ) چنانچہ ایک مرکز حجاز میں بن گیا، جبکہ دوسرے بیٹے اسحاقؑ کو فلسطین میں آباد کر دیا۔ اگر آپ اس پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ اس منہاج پر ہمارے صوفیاء اور اولیاء اللہ نے کام کیا ہے۔ انہوں نے کفر و شرک کے مراکز میں ایمان کی شمعیں روشن کیں اور خانقاہیں آباد کیں، جہاں پر آنے والے لوگوں کا انہوں نے تزکیہ کیا۔ ان خانقاہوں کو آپ آج کل کی خانقاہوں پر قیاس نہ کیجئے۔ پچھلے زمانے میں روحانی اور باطنی علوم کی تلقین و تعلیم، ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد شروع ہوتی تھی۔ قرآن، حدیث اور فقہ جیسے علوم کی تحصیل کر چکنے کے بعد لوگ سلوک کی منازل طے کرتے۔ یہ نہیں کہ "ا" کا نام "ب" نہیں جانتے اور سجادہ نشین بھی ہیں اور کسی شیخِ طریقت کے خلیفۂ مجاز بھی ہیں۔ اس طرح کے لوگ تو اِس دور کی پیداوار ہیں جب ہم نے دین کو دھندا اور profession بنا لیا۔ جبکہ اگلے وقتوں کے مشائخِ عظام، دین کے عالم بھی ہوتے تھے۔ وہ اپنے تربیت یافتہ خلفاء کو مختلف مقامات پر بھیج دیتے جہاں دعوتِ دین اور اصلاح و ارشاد کے مراکز قائم ہو جاتے۔ چنانچہ شیخ فرید الدین مسعود شکر گنج رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاک پتن سے اپنے خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو دہلی بھیجا کہ وہاں پر دعوت و اصلاح کا مرکز قائم کریں۔ اسی طرح شیخ صابرؒ کو کلیر اور شیخ جمالؒ کو ہانسی میں مراکز قائم کرنے کے لئے بھیجا، جبکہ اپنے ایک داماد کو اپنے پاس رکھا جو وہاں کے جانشین بنے۔ اور پھر نظام الدین اولیاءؒ سے جو سلسلہ چلا ہے، اس کے کیا کہنے، ایک ایک وقت میں پانچ پانچ ہزار مسترشدین ان کی خانقاہ میں تربیت حاصل کر رہے ہوتے تھے۔ یہ حضرات خود تربیت حاصل کرنے کے بعد پورے ہندوستان کے اندر پھیل گئے۔ تو یہ منہاجِ ابراہیمیؑ ہے۔

<u>منہاجِ موسویؑ</u> : اب غور کیجئے، منہاجِ موسوی کیا تھا؟ آپؑ کی سب سے اہم کوشش ایک بگڑی ہوئی مسلمان قوم کو غلامی سے نجات دلانے کی تھی۔ جیسے ہی حکم ہوا :

"اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی" (جایئے فرعون کی طرف' وہ سرکش ہو گیا ہے) تو جاتے ہی پہلی بات یہ کہی : "اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِی اِسْرَائِیلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ" یعنی "بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو' انہیں عذاب مت دو!" انہیں اجازت دو کہ جہاں سے آئے تھے وہاں واپس چلے جائیں۔ تم نے انہیں زنجیروں میں جکڑ لیا ہے' غلامی کے شکنجے میں کس لیا ہے' تم ان سے بیگار لے رہے ہو' انہیں چھوڑ دو کہ یہ فلسطین کو واپس لوٹ جائیں۔ اور وہ قوم اِس قدر بگڑی ہوئی قوم تھی کہ حضرت موسیٰؑ کے نو (۹) کھلے معجزے دیکھنے کے بعد' اور فرعون کی غلامی سے نجات اور مصر سے ہجرت کے بعد جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو تو پوری قوم میں سے دو آدمیوں کے سوا کوئی جان کی بازی لگانے کے لئے تیار نہ تھا۔ وقت کے رسول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کے علاوہ کُل دو افراد اس کام کے لئے تیار ہوئے یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یفنّا۔ گویا چھ لاکھ کے مجمع میں سے چار آدمی اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے۔ کوئی تصور کر سکتا ہے کسی قوم کی ناہنجاری کا؟ پھر یہ وہ بدبخت قوم تھی کہ سارے معجزے دیکھنے کے باوجود جیسے ہی انہیں غلامی سے نجات ملی اور مصر سے نکلے تو اللہ کے پیغمبرؑ سے یہ کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی کوئی بُت بنا دو جس کی ہم پوجا کیا کریں۔ موسیٰ علیہ السلام چالیس دنوں کے لئے کوہ طور پر گئے تو ان کے پیچھے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ لیکن بہرحال وہ ایک مسلمان قوم تھی' کلمہ اس کا وہی تھا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" لہٰذا حضرت موسیٰؑ نے اس کی نجات کی فکر کی۔ یہ منہاجِ موسویؑ تھا۔ اس خاص پہلو سے یہ کہا جا سکتا ہے اس منہاج پر مسلم لیگ نے کام کیا ہے۔ چنانچہ تحریک پاکستان اس بنیاد پر چلی کہ برِّعظیم پاک و ہند کے اندر دس کروڑ مسلمان بس رہے ہیں' اگر کہیں ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہو گیا تو ہندو ان پر ظلم کریں گے' ان کے ثقافتی تشخص تک کو ختم کر دیں گے' ان کو شدھی کرنے کی تحریک چلائیں گے' ان کا معاشی استحصال کریں گے' لہٰذا ہندو کی غلامی سے بچاؤ کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہندوستان کا بٹوارہ کر دو' اور ہمیں دو ٹکڑے ایسے دے دو جہاں ہماری اکثریت ہے تاکہ ہم وہاں اپنے تمدن کے مطابق نظام چلائیں۔ مسلم لیگ نے جو منہاج اختیار کیا یہ منہاجِ موسویؑ سے بہت زیادہ قریب ہے۔

منہاجِ عیسویؑ : اب ایک قدم اور آگے آیئے' منہاجِ عیسوی کیا ہے؟ اللہ کا ایک بندہ گشت لگا رہا ہے' آج یہاں ہے' کل وہاں ہے' پرسوں وہاں ہے' ابھی کوہِ زیتون پر ہے' ابھی جھیل گلیلی پر پہنچا ہوا ہے' اور ابھی کہیں نظارت میں ہے۔ یہاں وعظ کہا' وہاں وعظ کہا۔ مچھیروں سے خطاب کیا : "اے مچھلیوں کے پکڑنے والو' آؤ میں تمہیں انسانوں کا شکار کرنا سکھاؤں۔" بارہ آدمی مل گئے تو ان بارہ کو بھی اپنے ساتھ ہی چکر میں ڈال دیا کہ یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو' بلکہ میرے اعوان و انصار بنو اور میرے ساتھ نکلو! اپنی صلیب اٹھاؤ اور میرے ساتھ آجاؤ!! مطلب یہ کہ اس راستے میں اپنی جان دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ حواریینِ مسیحؑ بھی آپؑ کے ساتھ اس کام میں لگ گئے۔ یہ کام بھی ایک مسلمان امت میں ہو رہا تھا۔ یہود ایک مسلمان امت تھے۔ اس امت میں ایک کام اس سے قبل انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کا ہوا جو منہاج موسویؑ کا کام تھا۔ ظاہر بات ہے کہ اس کے ساتھ ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت جتنی بھی ہو سکتی تھی موسیٰ علیہ السلام نے کی' لیکن منہاج موسویؑ میں بنیادی عنصر بنی اسرائیل کی آزادی کا تھا۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام دین کی حکمت لے کر آئے (حِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ) اور آپؑ نے دین کی حقیقت کو واضح کیا۔ آپؑ نے علمائے یہود کو خطاب کر کے کہا کہ تم نے دین کو بے جان رسومات کا مجموعہ بنا کے رکھ دیا ہے' تمہاری مثال ان قبروں کی سی ہے کہ جن کے اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا' مگر ان پر اوپر سے رنگ روغن کر دیا جاتا ہے اور ان پر شاندار چادریں چڑھائی ہوئی ہوتی ہیں۔ تم سانپ کے سپولیوں کی مانند ہو۔ آپؑ کی یہ ساری تنقیدیں علمائے یہود پر تھیں۔ جو لوگ آپؑ کے ساتھ آگئے انہیں بھی آپؑ نے اپنے ساتھ گشت پر لگا دیا۔ ہمارے ہاں اس منہاج پر تبلیغی جماعت نے عمل کیا ہے یا بعض صوفیاء نے۔ اکثر صوفیاء تو وہ تھے جنہوں نے اپنا ایک مرکز بنا لیا تھا اور "قطب از جائی نجنبد" کے مصداق ایک جگہ بیٹھ کر انہوں نے اپنے تربیت یافتہ لوگوں کو اِدھر اُدھر بھیجا' لیکن بعض صوفیاء وہ تھے جو قریہ قریہ بستی بستی جا کر لوگوں کو دعوت دیتے اور ان کی اصلاح کرتے' جیسے مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمتہ اللہ علیہ۔ تبلیغی جماعت کے کام میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منہاج سے مشابہت موجود ہے۔ یہاں ایک وضاحت ضروری

ہے کہ مشابہت سے مراد کُلّی مشابہت نہیں ہوتی۔ میری بیان کردہ تمام تشبیہات کو' آپ کہیں کُلّی طور پر منطبق نہ کر لیجئے۔ تشبیہ کا استعمال بالعموم دو مختلف اشیاء کے مابین پائی جانے والی جزوی مشابہت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے میں نے منہاجِ موسوی کے لئے مسلم لیگ کی اور منہاجِ عیسوی کے لئے تبلیغی جماعت کی مثالیں دی ہیں۔

منہاجِ محمدیؐ : اب آیئے منہاج محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف۔ اور جان لیجئے کہ یہ دور اصلاً منہاجِ محمدیؐ کا دَور ہے۔ منہاجِ محمدیؐ یہ ہے کہ سب سے پہلے دعوت دو' جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسے قبول کریں' انہیں منظم کرو' ان کی تربیت کرو' انہیں ایک طاقت بناؤ اور کوڑے کی صورت میں نظامِ باطل کے اوپر دے مارو اور نظامِ باطل کا بھیجا نکال دو۔ از روئے الفاظِ قرآنی "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ" یعنی "ہم باطل کے اوپر حق کا کوڑا دے مارتے ہیں جو اس کا بھیجا نکال دیتا ہے اور وہ تو ہے ہی زائل ہو جانے والی شے"۔ یہ منہاجِ محمدیؐ ہے۔ یہ انقلاب برپا کرنے اور نظام کو بدلنے کے لئے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ طریق کار ہے۔ اس حوالے سے آپ ﷺ دنیا کے سب سے بڑے انقلابی راہنما ہیں۔

گاندھی جی کے بارے میں غالباً برنارڈ شا نے کہا تھا :

"He is a saint among politicians and a politician among saints."

یعنی وہ اگر سیاست دانوں میں بیٹھا ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کوئی سادھو ہے' سیاست دان تو لگتا ہی نہیں اور جب سادھوؤں میں بیٹھا ہوتا ہے تو لگتا ہے کہ یہ تو سیاست دان ہے۔ اس اسلوبِ کلام کے حوالے سے میں یہاں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک بات عرض کر رہا ہوں' اگرچہ "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک" کے مصداق دنیا بھر کے انقلابی راہنما سیرت و کردار اور اعلیٰ ترین اخلاق و اطوار غرضیکہ کسی بھی اعتبار سے آپؐ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے' لیکن بات سمجھانے کے لئے یہ اندازِ تعبیر اختیار کر رہا ہوں کہ

"He is a revolutionary among Prophets and a Prophet among revolutionaries."

"آپ ﷺ انبیاء کرامؑ کے درمیان ایک انقلابی ہیں اور انقلابیوں کے مابین ایک

نبیؐ ہیں"۔

انقلابیوں(Revolutionaries) میں آپ رکھئے مارکس' اینجلز' لینن' والٹیر اور روسو وغیرہ کو۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ ﷺ ایک عظیم انقلابی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جلیل القدر پیغمبر بھی ہیں۔ اور تمام انبیاء و رسل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) میں آپؐ اس اعتبار سے ممتاز ہیں کہ آپؐ نے صرف دعوت و تبلیغ کا کام نہیں کیا بلکہ بالفعل ایک انقلاب بھی برپا کیا' پہلے سے موجود نظام کو جڑ بنیاد سے تبدیل کر دیا۔

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

آپؐ نے صرف مبلّغ' صرف معلّم و مدرس اور صرف مربّی پیدا نہیں کئے' بلکہ ان سب کو مجاہد بھی بنایا ہے۔ اور اس جہاد کا ہدف اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو قائم کرنا قرار دیا کہ وقت آنے پر اس کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرو۔

میرے اصل مخاطب کون لوگ ہیں؟

میں یہ وضاحت بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ میری آج کی گفتگو کے مخاطب کون ہیں اور کون نہیں۔ معین کر لینا چاہئے کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں' کیونکہ بھینس کے آگے بین بجانا وقت کا ضیاع ہے۔

پاکستان میں اب ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے' بلکہ کبھی بھی کمی نہیں رہی ہے جو سمجھتے ہیں کہ پاکستان غلط بنا ہے' اور اگرچہ وہ واضح الفاظ میں نہیں کہتے' لیکن اس کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ ان کے نزدیک اس کو ختم ہو جانا چاہئے اور اس طرح قیامِ پاکستان کی غلطی کا ازالہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ جی ایم سید نے اس پر پوری کتاب لکھی کہ اب پاکستان کو ختم کر دینا چاہئے۔ اور یہ کتاب اس ملک میں لاکھوں کی تعداد میں پھلائی گئی۔ اور میں آپ کو بتادوں کہ پاکستان کے تینوں چھوٹے صوبوں میں یہ فکر بعض مذہبی حلقوں میں بھی موجود ہے اور سیاسی حلقوں میں بھی۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا بننا تو درست تھا لیکن اب یہ

اس درجے بگڑ گیا ہے کہ اصلاحِ احوال کا کوئی امکان ہی باقی نہیں' لہٰذا خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلکان نہ کرو' بلکہ آنے والے وقت کا انتظار کرو۔

یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اور یہ دوسری قسم کے لوگ اصلاحِ احوال کی کوشش کرنے والے لوگوں سے بھی یہی کہتے ہیں کہ تم کیوں دیواروں کے ساتھ سر ٹکرا رہے ہو؟ گویا "لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰہُ مُہْلِکُہُمْ اَوْ مُعَذِّبُہُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا" (الاعراف : ۶۴) تمہاری اس تبلیغ و تلقین سے' سعی و کوشش سے' محنت اور جدوجہد سے' واویلا کرنے اور نالہ و شیون سے کچھ حاصل نہیں ہے' لہٰذا لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ طرزِ فکر رکھنے والے لوگ بھی میرے مخاطب نہیں ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کا بننا بھی درست تھا اور اس کا قائم رہنا بھی ضروری ہے۔ یہاں اگر بگاڑ پیدا ہوا ہے تو ہماری اپنی غلطیوں سے ہوا ہے' ہمیں آخر دم تک اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔ چنانچہ سورۃ الاعراف کی آیت ۶۴ ہی میں مذکورہ بالا الفاظ کے بعد اصلاح کی کوشش کرنے والوں کا جواب بھی نقل ہوا ہے۔ انہوں نے کہا "مَعْذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمْ وَلَعَلَّہُمْ یَتَّقُوْنَ" یعنی ہم یہ ساری کوشش اس لئے کر رہے ہیں تاکہ "اپنے رب کے حضور معذرت تو پیش کر سکیں" کہ پروردگار ہم تو آخر دم تک اسی کام کے لئے کوشاں رہے' ہم نے دنیا نہیں بنائی' جائیدادیں نہیں بنائیں' اپنے پروفیشن اور کیریئر نہیں چمکائے' بلکہ ہم اس راہ میں محنت کرتے رہے' ہماری سعی و جہد کا نتیجہ تو تیرے ہاتھ تھا۔" اور شاید کہ ان میں تقویٰ پیدا ہو جائے"۔ کیا پتہ کہ یہ جاگ ہی جائیں۔ تم یقینی طور پر کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ ہلاک ہو کر ہی رہیں گے۔ کیا خبر کہ انہیں ہوش آ ہی جائے۔ ایک معالج آخری سانس تک مریض کا علاج کرتا ہے کہ کیا عجب کوئی دوا کارگر ہو جائے۔ میرا خطاب ان تیسری قسم کے لوگوں سے ہے۔

چوتھے نمبر پر وہ لوگ ہیں کہ جو یہ بھی سمجھتے ہیں کہ پاکستان ٹھیک بنا ہے اور اس بارے میں پُرامید بھی ہیں کہ جلد یا بدیر حالات صحیح ہو جائیں گے۔ اب ان میں پھر مختلف قسم کے

لوگ ہیں۔ چنانچہ کچھ تو خوابوں کی بنا پر دعوے کرتے ہیں' کچھ لوگوں کو بعض ملنگ قسم کے لوگوں کی پیشینگوئیوں پر یقین ہے۔ اور کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی پیشین گوئیوں کے حوالے سے پُرامید ہیں ع میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے! اس ضمن میں ہم نے "نویدِ خلافت" نامی چھوٹا سا کتابچہ مفت تقسیم کے لئے شائع کیا ہے' جس میں ہم نے آیات اور احادیث کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ یہ خطۂ زمین اسلام کا گہوارہ بنے گا اور عالمی خلافتِ اسلامیہ کا احیاء یہیں سے ہو گا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ سوچ رکھنے والے لوگ بھی یقینی طور پر میرے مخاطب ہیں کہ وہ تجزیہ کر کے سوچیں کہ ہمارے بگاڑ کا اصل سبب کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟ پھر اس کے لئے وہ اپنی امکانی حد تک کوشش بھی کریں۔ یہ اگر نہیں کریں گے تو پھر اس کا کچھ حاصل نہیں۔

پانچواں طبقہ وہ ہے جو میرے نزدیک ایک خالص دینی فکر کا حامل ہے۔ اور وہ فکر یہ ہے کہ حالات اور سیاست سے قطع نظر' خواہ پاکستان بنتا یا نہ بنتا' اور رہے یا نہ رہے' یہ ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہمیں دنیا میں اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے۔ اگر بالفرض پاکستان نہ بنتا تو کیا یہ جدوجہد ہم پر فرض نہیں تھی؟ کیا پاکستان بننے سے پہلے ہم امتِ مسلمہ کا حصہ نہیں تھے اور ہم پر شہادت علی الناس کی ذمہ داری نہیں تھی؟ کیا ہم "اَقِیْمُوا الدِّیْنَ" کے قرآنی حکم کے مخاطب نہیں تھے؟ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان کے قیام نے ہماری ذمہ داری کو ہزار گنا بڑھا دیا ہے' لیکن اگر یہ نہ بھی بنتا تب بھی "اقامتِ دین" ہماری دینی ذمہ داری تو تھی۔ اسی طرح پاکستان رہے یا نہ رہے' یہ دینی ذمہ داری تو پھر بھی برقرار رہے گی۔ میرے نزدیک یہ صحیح ترین فکر ہے اور میں خود اسی پر عمل پیرا ہوں۔ میں نے جو پانچ طبقات گنوائے ہیں ان میں سے پہلے دو سے تو مجھے اس وقت کوئی بات نہیں کرنی ہے' میرے مخاطب مؤخر الذکر تین طبقات ہیں۔ ان لوگوں کے غور و فکر کے لئے اب میں چند اہم عوامل جن سے ہمیں اس وقت سابقہ ہے' سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

ہم کہاں کھڑے ہیں؟

ایک جانب نیو ورلڈ آرڈر کے پردے میں یہودیوں کی عالمی بالادستی کا سیلاب ہے'

جس کا فوری ٹارگٹ ایران' پاکستانی اور افغانستان ہیں۔

دوسری جانب مسلمانانِ کشمیر کا جہادِ حریت اب ان حدوں کو چھو چکا ہے جس کے نتیجے میں بھارت پاکستان کے خلاف ننگی اور کھلی جارحیت کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اور اگر ہمارے پاس ایٹمی ڈیٹرنٹ نہ ہوتا' تو وہ کب کا کر چکا ہوتا اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت وہ "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ ہماری ایٹمی صلاحیت ان سے دس گنا زیادہ ہے' اگر ہمارا دسواں حصہ تباہ ہو گا تو یہ پورا ملک تباہ ہو جائے گا۔ لہٰذا بھارتی جارحیت کو خارج از امکان نہ سمجھئے۔ انہوں نے اپنی میزائل ٹیکنالوجی پر جو اربہا اربہا روپے خرچ کئے ہیں' وہ کاہے کے لئے کئے ہیں؟ بنیا تو ایک پیسہ بھی کسی مقصد اور منفعت کے بغیر خرچ کرنے کو تیار نہیں ہوتا!

تیسری جانب مسلح دہشت گردی اور کھلی بغاوت کی صورت میں نفاذِ اسلام سے روگردانی کی سزا یعنی نفاقِ باہمی کا عذاب کراچی کی بندرگاہ سے ملک میں داخل ہو چکا ہے۔ بالفاظِ دیگر ہم اپنے ہاتھوں عذابِ خداوندی کو درآمد کر چکے ہیں۔ کہا گیا تھا کہ ہم نے دہشت گردی کی کمر توڑ دی ہے' لیکن ابھی تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شاید ایک آدھ انگلی ہی کٹ سکی ہو' کمر ٹوٹنے کا تو کوئی سوال نہیں۔

چوتھی جانب ملک میں معاشرتی بدامنی اور آوارگی' سیاسی خلفشار اور محاذ آرائی اور مالیاتی لوٹ کھسوٹ' اور بندربانٹ آخری حدوں کو پہنچ چکی ہے' اس کی بھی اگر میں تفصیل بیان کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری! اِن موضوعات پر تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ یہ چیزیں بارہا میری گفتگوؤں کا موضوع بن چکی ہیں' اِس وقت صرف گِنوا رہا ہوں۔ لیکن آج کی گفتگو کے اعتبار سے اہم ترین اور ان سب پر مستزاد مذہبی جماعتوں کا باہمی نفاق ہے جو روز بروز تقسیم در تقسیم کی صورت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ چنانچہ جمعیت علمائے اسلام' جمعیت علمائے پاکستان اور جمعیت اہلحدیث کے کئی کئی دھڑے وجود میں آ چکے ہیں۔ اب جماعت اسلامی بھی دھڑوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ اس تقسیم در تقسیم کے عمل میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے اور سینے کے چاک کو رفو کرنے کی کوئی تدبیر کسی طرف سے نہیں کی جا رہی' بلکہ اسے مزید پھاڑنے کا عمل دن بدن شدت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔

موجودہ صورتحال کا اہم ترین سبب

ہمارے لئے غور و فکر کا مقام یہ ہے کہ اس صورتحال کا سبب کیا ہے؟ اس پوری صورتحال کے دوسرے داخلی اور خارجی اسباب بھی ہیں' جو اپنی جگہ نہایت اہم ہیں' لیکن اہم ترین سبب میرے نزدیک ہمارا اپنی اصل منزل سے انحراف اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے سے روگردانی ہے۔ دوسرے اسباب اپنی جگہ پر اہم ہیں' مثلاً اس ضمن میں مسلم لیگ کا کردار زیر بحث آسکتا ہے' اس پر بھی گفتگو ہو سکتی ہے کہ ہماری آرمی کے اندر جو امنگیں پیدا ہو گئیں ان کا کیا نتیجہ نکلا' ہمارے ہاں کے جاگیرداروں کا جو ایک مزاج تھا اس نے کیا گُل کھلائے۔ ہماری بیوروکریسی کو بھی زیر تنقید لایا جاسکتا ہے کہ وہ انگریز کی تربیت یافتہ تھی' اور ذہناً و ثقافتاً' خالصتاً مغربی تھی' صرف نام کے مسلمان لوگ تھے۔ یہ سارے سبب آپ گنتے چلے جایئے' لیکن میرے نزدیک اہم ترین سبب اصل منزل سے انحراف ہے۔ ہماری منزل تھی نفاذِ اسلام' پاکستان میں نظامِ اسلام کا قیام' پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالٰہ الا اللہ! لیکن ہم نے اپنی منزل سے انحراف کیا۔ اس انحراف میں کس کا کتنا حصہ ہے' اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔ میں نے پچھلے سال ۱۶ دسمبر کو "سقوطِ ڈھاکہ کے اسباب و عوامل" کے موضوع پر اپنی تقریر میں (جو جنوری ۹۵ء کے میثاق میں شائع ہو گئی تھی) پورا کچا چٹھا بیان کر دیا تھا کہ ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے! ہم نے پہلے دن سے ہی اس ملک میں سیکولرازم کی بنیاد قائم کی' چنانچہ اس کا پہلا وزیر قانون ایک ہندو کو اور پہلا وزیر خارجہ ایک قادیانی کو مقرر کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اسلام' ایمان اور عقائد کا یہاں کوئی اعتبار ہی نہیں۔ اپنے اس طرزِ عمل سے ہم نے گویا پوری تحریکِ پاکستان کی نفی کر دی ع میں باز آیا محبت سے' اٹھالو پاندان اپنا! لہٰذا بعد میں آنے والوں کو کیا الزام دیا جائے جبکہ روزِ اول ہی معاملہ اس شعر کے مصداق تھا۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج!

منزل سے اس انحراف کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تحریک پاکستان میں ہم نے اللہ تعالیٰ سے

ایک خاص وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ! ہمیں ہندو اور انگریز کی غلامی سے نجات دلا' ہم تیرے عطا کردہ خطۂ زمین میں تیرے دین کا بول بالا کریں گے۔ اور اِس وعدہ خلافی کی بدترین سزا ہمیں نفاق کی صورت میں مل چکی ہے۔ میں کئی مرتبہ سورۃ التوبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ کے حوالے سے یہ مضمون بیان کر چکا ہوں۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

"اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے (غنی کر دے) تو ہم خوب صدقہ و خیرات کیا کریں گے اور نیک بن جائیں گے"۔

﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝﴾

"پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا تو انہوں نے بخل سے کام لیا اور پیٹھ موڑلی اور اعراض کیا"۔

﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝﴾

"پس اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس روز تک جب وہ اس سے ملاقات کریں گے' بسبب اس وعدہ خلافی کے جو انہوں نے اللہ کے ساتھ کی اور بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے"

ان آیات میں تو چند لوگوں کے حوالے سے اللہ کے عذاب کا ذکر ہے کہ انہیں ان کی بدعہدی کی سزا نفاق کی صورت میں ملی' جبکہ یہاں تو پوری قوم کا یہی معاملہ ہے۔ دس کروڑ کی قوم نے اللہ سے ایک وعدہ کیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی۔ لہٰذا ہم قومی سطح پر نفاق کا شکار ہو گئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قومی سطح پر ہمارے ہاں دونوں قسم کے نفاق موجود ہیں' منافقت بھی اور نفاقِ باہمی بھی۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ دجّال کے ماتھے پر لکھا ہو گا "ک ف ر" (کفر) اسی طرح ہمارے قومی ماتھے پر "نفاق" کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ ایک نفاقِ

باہمی ہے کہ پوری قوم اب قومیتوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ لسانی قومیتیں' نسلی قومیتیں' ثقافتی دھڑے بندیاں' پھر سب سے بڑھ کر صوبہ پرستی اور ان سب پر مستزاد مذہبی فرقہ واریت' یہ سب نفاقِ باہمی کے عملی مظاہر ہیں۔ اس کے علاوہ نفاقِ عملی کا بھی ہم پر پورے طور پر تسلّط ہو چکا ہے اور یہ چیز اس قوم کی پہچان بن چکی ہے' چنانچہ جھوٹ' وعدہ خلافی اور خیانت کا دور دورہ ہے۔ جو جتنا بڑا ہے وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا' وعدہ خلاف اور خائن ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ' استثناء ات تو قاعدے کلئے کو ثابت کرتی ہیں۔ (Exception proves the rule) چنانچہ آپ کو استثناء ات کے طور پر افراد تو مل جائیں گے' لیکن یہ حقیقت ہے کہ پوری قوم مجموعی طور پر نفاق میں مبتلا ہے۔ تو یہ ہے ہمارے بگاڑ اور فساد کا اصل سبب جس کے دو پہلو میں نے آپ کے سامنے رکھے۔

فوری تدابیر اور مستقل علاج

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتحال کا علاج کیا ہے؟ اس کا اصل علاج تو اپنی منزل کی طرف پیش قدمی یعنی نظامِ اسلامی کا قیام ہے' لیکن فوری اور Palliative علاج کے طور پر بھی کچھ اقدامات ضروری ہیں۔ مثلاً ایک خاص مسئلے کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ پاکستان کے چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ پورے ملک کو لگ بھگ ایک ایک کروڑ کی آبادی کی مناسبت سے کم از کم بارہ صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے۔ لوگ محسوس کریں کہ ہمارے معاملات ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ نئی صوبائی تقسیم میں لسانی اور ثقافتی عوامل کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ پاکستان کے ماحول کے اعتبار سے یہ ایک "کلمۂ کفر" ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ لیکن نوٹ کیجئے کہ میں یہ بات بہت پہلے سے ایک تسلسل کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ ۱۹۹۱ء میں مَیں نے تحریکِ خلافت کا آغاز کیا تو اس میں بھی یہ بات ایک نکتے کی حیثیت سے شامل کی تھی۔ مختلف حلقوں کی طرف سے اس بات کی تائید بھی سامنے آئی ہے۔ چنانچہ صوبوں کے بارے میں ایئر مارشل (ر) اصغر خان صاحب کا موقف بھی یہی ہے اور آج کے "News" میں ان کا ایک مضمون بھی شائع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں گزشتہ دنوں دو نہایت قیمتی مضامین میرے مطالعے میں آئے ہیں۔

ان میں سے ایک اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ یہ جماعت اسلامی کے حلقے کے انگریزی جریدے "The Universal Message" میں شائع ہوا ہے۔ یہ جریدہ ادارۂ معارفِ اسلامی کراچی کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے اگست ۹۵ء کے شمارے میں محمد علی شہاب صاحب کا ایک مضمون "Small Provinces or....?" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے میرا نام لے کر میرے موقف کی تائید کی ہے کہ اگر ملک کو بچانا ہے تو پورے پاکستان میں چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ دوسرا مضمون ایک غیر مسلم صحافی اور سیاست دان مسٹر ایم پی بھنڈارہ (سابق اقلیتی رکن قومی اسمبلی) کا ہے جو روزنامہ "ڈان" میں چھپا ہے۔ میرے نزدیک سندھ کی صورتحال کا اس قدر اختصار اور جامعیت کے ساتھ مبنی بر حقیقت تجزیہ' بشمول میرے' شاید کسی اور نے نہ کیا ہو۔ حالانکہ اس میں اکثر و بیشتر چیزیں وہی ہیں جو میں آج سے آٹھ سال پہلے "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" نامی کتاب میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ لیکن اس مضمون میں آپ کو یہ سارا تجزیہ اختصار کے ساتھ اور ایک خالص سیکولر نقطۂ نظر سے مل جائے گا۔ ہم نے ان دونوں انگریزی مضامین کو ایک کتابچے کی صورت میں شائع کر دیا ہے' آپ میں سے انگریزی دان حضرات اس کتابچے کو حاصل کر کے ضرور پڑھیں تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ آپ کے ملک میں کیا ہو رہا ہے' آپ کے مسائل ہیں کیا؟ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا' ان اقدامات کی حیثیت "Palliative Treatment" کی ہے' نہ کہ مستقل علاج کی۔ کسی کو ۱۰۶ درجے کا بخار ہو جائے تو بخار کو فوری طور پر اتارنے کے لئے آپ جو تدابیر کرتے ہیں اس سے بخار تو اُتر جاتا ہے اور مریض کو اُس وقت بحرانی کیفیت سے نجات مل جاتی ہے' لیکن اسے علاج نہیں کہتے۔ ہمیں جو مرض بحیثیتِ قوم لاحق ہے اس کا علاج (Curative Treatment) صرف ایک ہے ع علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی! یعنی یہ پوری قوم توبہ کرے اور دوبارہ اپنی منزل کی طرف رخ کرے ع کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو! اور یہاں پر نفاذِ اسلام کے لئے اپنی پوری توجہات کو مرکوز کر دے۔ اس ضمن میں زیادہ بڑی ذمہ داری دینی جماعتوں پر عائد ہوتی ہے۔ اِس وقت میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا' اس لئے کہ اس موضوع پر میری کتاب "استحکامِ

پاکستان" پورے دستاویزی حوالوں اور دلائل کے ساتھ موجود ہے۔ میرے نزدیک قیامِ پاکستان ایک معجزہ تھا اور یہ ملک صرف اس لئے وجود میں آیا کہ ہم نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا اور سارا خلفشار اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی ہے۔ اب علاج صرف یہی ہے کہ اس وعدے کو پورا کیا جائے۔

نظامِ اسلام قائم نہ ہونے کا اہم ترین سبب

مملکتِ خداداد پاکستان میں دین اسلام کا قیام و نفاذ نہ ہونے کے بھی بہت سے اسباب ہیں' لیکن ان میں بھی اہم ترین ایک ہے' اور وہی میری آج کی گفتگو کے لئے مرکزی نکتہ ہے۔ اور وہ ہے "دینی جماعتوں کی غلط حکمت عملی" جو میرے نزدیک سب سے بڑا سبب ہے۔ دینی جماعتوں کی غلط حکمت عملی یہ ہے کہ انہوں نے الیکشن کا راستہ اختیار کر کے اسلام کو ایک سیاسی نعرے کی حیثیت دے دی۔ اس طرح یہ ایک پارٹی ایشو بن کر متنازع فیہ مسئلہ بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام پوری قوم کی پشت پناہی سے محروم ہو کر کچھ سیاسی جماعتوں کا پشت پناہ بن کر کھڑا ہو گیا۔ پھر مختلف مذہبی جماعتوں کے انتخابی میدان میں اترنے نے اس جلتی پر تیل کا کام کیا اور مختلف برانڈ کے اسلام منظرِ عام پر آ گئے۔ اس طرح مذہبی جماعتیں دین میں تفریق کا باعث بھی بنیں۔ سب سے پہلے جماعت اسلامی میدانِ سیاست میں کودی۔ ۱۹۵۱ء کے پنجاب الیکشن میں اسے چالیس سیٹوں کی توقع تھی لیکن ایک بھی نہیں مل سکی اور وہ چاروں شانے چت ہو گئی۔ اس کے بعد نورانی میاں نے سوچا کہ۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی!

ہم تو سوادِ اعظم کے نمائندے ہیں۔ وہ انتخابی میدان میں کودے تو انہیں کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ کراچی' حیدر آباد اور بعض دوسری جگہوں پر ان کے نمائندے کامیاب بھی ہوئے۔ جمعیت علماء اسلام کا معاملہ یہ تھا کہ اپنے تاریخی پس منظر کے حوالے سے وہ کچھ عرصے منقار زیرِ پر رہے' اس لئے کہ تقسیم سے قبل وہ پاکستان کے مخالف تھے اور ابتدا میں انہیں یہاں بولنے کا حق تھا ہی نہیں۔ پھر انہوں نے سوچا کہ اس جولانگاہ میں ہمیں بھی قسمت آزمائی

کرنی چاہئے' چنانچہ وہ بھی اس میں کود پڑے۔ رہ گئے اہلحدیث تو انہوں نے سوچا کہ ہماری بھی کچھ pockets موجود ہیں۔ اگر زیادہ نہیں تو ہمارے ایک دو آدمی تو اسمبلی میں پہنچ ہی جائیں گے' اور بعض اوقات کسی نازک لمحے پر ایک آدمی بھی بڑا قیمتی ثابت ہوتا ہے' جب ایک ووٹ کے فرق پر ہی سارا معاملہ موقوف ہوتا ہے۔ ایک موقع پر صدر ایوب خان نے مفتی محمود صاحب کے ایک ووٹ سے دستور میں ترمیم کی تھی۔ اور کہا گیا تھا کہ مفتی صاحب کو اس تعاون کے عوض دس لاکھ روپے دیئے گئے تھے۔ اندازہ لگایئے' اُس دور کے دس لاکھ آج کے دس کروڑ سے کم نہیں ہیں۔ مفتی صاحب نے اس الزام کی تردید نہیں کی تھی' البتہ یہ کہا تھا کہ ہاں' میرے مدرسے کو دیئے ہیں۔ یہ کچھ اسی طرح کا معاملہ ہے جیسے بعد میں ایک ایسے ہی موقع پر کسی مذہبی سیاسی جماعت کے امیدوار نے یہ کہا تھا کہ ہم بکے نہیں' ہم نے سودے بازی کی ہے۔ میرے نزدیک اس چیز نے اسلام کو بے انتہا نقصان پہنچایا ہے۔ دراصل یہ نتیجہ ہے اس غلط حکمتِ عملی کا کہ مذہبی جماعتوں نے انتخابی سیاست کو اپنا میدانِ کار بنایا اور ان کے نفاقِ باہمی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ عوام کے سامنے مختلف برانڈ کے اسلام آنے لگے۔ بریلوی مکتب فکر' دیوبندی مکتب فکر' اہلحدیث مکتب فکر اور جماعت اسلامی کے اپنے اپنے "اسلام" تھے' ان کے علاوہ ایک لبرل اسلام بھی تھا۔ اس طرح پانچ مختلف اسلام میدان میں آ گئے اور اسلام ایک پارٹی ایشو اور انتخابی نعرہ بن کر رہ گیا۔ اگر ایک ہی جماعت میدان میں اتری ہوتی تو شاید کچھ نہ کچھ حاصل کر بیٹھتی۔

اصلاحِ احوال کی صورت

اب اصلاح کی طرف آیئے۔ اس ضمن میں پہلا قدم کیا ہو؟ میں بھی اگر محض اتحاد کا وعظ کہہ دوں تو اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا' بہت سے لوگ مجھ سے اچھا وعظ کہہ سکتے ہیں۔ آیات و احادیث کے حوالے سے اتحاد کی برکات پر وعظ کہنے والوں کی ہمارے ہاں کمی نہیں ہے' لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اتحاد کیسے ہو؟ بلی کے گلے میں گھنٹی کیسے باندھی جائے اور اسے باندھے کون؟ یہ ہفت خواں کیسے طے ہو؟ اس کے لئے کچھ باتیں آپ کے گوش گزار کرنی ہیں۔ ان میں تین باتیں تو وعظ کی نوعیت کی ہیں جن پر قدم بقدم عمل پیرا ہونے کی

ضرورت ہے۔

اولاً--- محاذ آرائی سے گریز ہو۔

ثانیاً--- ہم خیال جماعتیں جو تاریخی اور نظریاتی اعتبار سے کچھ قریب ہوں' ان کا کوئی باہمی تعاون شروع ہو جائے۔

ثالثاً--- سب کی سب اگر متحد نہ ہو سکیں تو بھی تقسیم در تقسیم کے عمل کو کچھ تو پسپا کریں اور ان کے مابین اِدغام نہ سہی کوئی وفاق کی شکل ہی پیدا ہو جائے۔

اتحادِ باہمی کے لئے قرآن حکیم کا حکم یہ ہے کہ: "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا" (آل عمران : ۱۰۳) یعنی "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور باہم متفرق نہ ہو جاؤ"۔ میں ان الفاظِ مبارکہ میں سے ایک لفظ حَبْل (رسی) مستعار لے رہا ہوں۔ آپ اس رسی کی تشبیہ کو اپنے ذہن میں رکھئے۔ ایک موٹی رسی کئی لڑیوں سے بٹی ہوئی ہوتی ہے اور ہر لڑی پھر بہت سے دھاگوں سے بنی ہوتی ہے۔ ایک رسی میں بالعموم چار بڑی بڑی لڑیاں ہوتی ہیں اور ہر لڑی متعدد دھاگوں سے بٹ کر بنائی گئی ہوتی ہے۔ اب اگر اس رسی کے بل کھول دیئے جائیں تو منطقی طور پر یہ صورت سامنے آئے گی کہ پہلے چار لڑیاں علیحدہ ہوں گی' پھر ہر لڑی کے دھاگے علیحدہ ہونا شروع ہو جائیں گے' چنانچہ وہ ایک رسی کی بجائے 4 x 4 = 16 دھاگے ہوں گے۔ تو عقلی اور منطقی اعتبار سے ان دھاگوں کو دوبارہ رسی بنانے کا عمل کہاں سے شروع ہو گا؟ یہ اوپر سے نہیں' بلکہ نیچے سے شروع ہو گا' پہلے دھاگوں کو دوبارہ بٹ کر لڑیاں بنایئے اور پھر ان لڑیوں کو بٹ کر رسی بنایئے۔ اس کی عملی شکل یہی ہے' اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

ہماری مذہبی جماعتوں کا تاریخی و نظریاتی پس منظر

لیکن اس میں جو تقسیم ہے' کہ لڑیاں کونسی ہیں اور دھاگے کون سے ہیں' اس کو دو اعتبارات سے' یعنی تاریخی اور نظریاتی پس منظر کے حوالے سے جان لیجئے۔ اِس ملک میں دینی جماعتوں کا پہلا پس منظر یہ ہے کہ تقریباً ایک سو سال پہلے تک پورے ہندوستان میں' سوائے اس کے کہ مالابار کے ساحل پر کچھ شافعی لوگ آباد تھے' باقی تمام مسلمان کٹر حنفی

تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام مسلمان تصوف کے ساتھ گہرا ربط بھی رکھتے تھے اور کسی نہ کسی سلسلۂ طریقت سے علامتی یا حقیقی اور عملی وابستگی لازم سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ آج سے سو سال پہلے کی کوئی کتاب دیکھ لیجئے تو اس کے مصنف کے مسلک اور مشرب کے بارے میں صراحت کچھ اس طور سے درج ہوگی کہ : "حنفی مسلکاً و قادری مشرباً" وغیرہ۔ تب ان دو صفات کے بغیر آدمی کا تعارف مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ مشرب میں چاروں مشہور سلاسل یعنی قادری' چشتی' سہروردی اور نقشبندی یہاں رائج تھے۔ لیکن پچھلے سو' سوا سو سال میں اس رجحان میں تبدیلی آئی' اس لئے کہ دار العلوم دیوبند ایک زبردست تحریک بن کر ابھرا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے بانیوں کا جوش و خروش اور خلوص و اخلاص مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان حنفی اور صوفی مزاج مسلمانوں میں دیوبندی اور غیر دیوبندی کی تقسیم ہو گئی۔ غیر دیوبندیوں میں فرنگی محلی بھی ہیں' فضلِ حق خیر آبادی والے مکتب فکر کے حضرات بھی ہیں' بدایونی بھی ہیں' نظامی بھی ہیں اور نہ معلوم کون کون سے ہیں۔ جبکہ دیوبند اپنی جگہ پر اتنا بڑا بھاری پتھر بن گیا کہ وہ ان سب کو بیلنس کرنے کے لئے ترازو کے دوسرے پلڑے میں تنہا ہی کافی تھا۔ پھر ہوتے ہوتے یہ تقسیم دیوبندی اور غیر دیوبندی کے بجائے دیوبندی اور بریلوی کی ہو گئی' اس لئے کہ اس میں جو بہت فعال عنصر پیدا ہوا ہے' وہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت ہے۔ تو یہ ہے مذہبی اعتبار سے ہمارا ایک تاریخی پس منظر۔

تیسرے یہ کہ اسی دور میں اہل حدیث مکتب فکر بھی کچھ نمایاں ہوا۔ اگرچہ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی تحریک کے اثرات دو سو سال پہلے ہی سے شروع ہو گئے تھے لیکن اس صدی کے اندر رفتہ رفتہ ان میں اضافہ ہوا۔ اور خلیج میں تیل کے برآمد ہونے کے بعد انہیں جو مالی تعاون حاصل ہوا' وہ کسی کو مل ہی نہیں سکتا۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنی عددی قوت کے مقابلے میں کئی گنا مؤثر ہو گئے ہیں۔ لیکن میں اس وقت اہل حدیث حضرات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے باقی دونوں کی بات کر رہا ہوں' یعنی دیوبندی اور بریلوی جو "سوادِ اعظم" ہیں۔ ان دونوں میں تین چیزیں مشترک ہیں : i) دیوبندی ہوں یا بریلوی' دونوں حنفی ہیں' ان کی فقہ ایک ہے' ii) دونوں تصوف کے قائل ہیں اور iii) دونوں کے

عقائد کی امّہات الکتب ایک ہیں۔ ان کے مابین صرف چند مسئلوں میں اختلاف ہے۔ مثلاً آیا درود و سلام پڑھتے ہوئے کھڑے ہو جانا چاہئے یا نہیں؟ "یا رسول اللہ" کہنا چاہئے یا نہیں؟ نذر و نیاز کا معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟ وغیرہ' اور آپ سے عرض کر دوں کہ ان مسائل کو بھی حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنی کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں اس طرح طے کر دیا ہے کہ ان کے اندر دیوبندی اور بریلوی دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ دیوبندی بھی کسی نہ کسی درجے میں ان ساری باتوں کو مانتے ہیں جو بریلوی کہتے ہیں۔ حاجی صاحب بھی کھڑے ہو کر درود پڑھنے کو قابل اعتراض نہیں سمجھتے۔ اور حاجی صاحبؒ ان تمام دیوبندیوں کے پیر تھے۔ وہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھی مرشد تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بھی۔ وہ صابری سلسلے کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ تو اب ان کا صرف مساجد اور مدارس کا نظام الگ الگ ہے' ورنہ ان کے مابین سرے سے کوئی فرق نہیں۔ وہی حنفیت اور وہی عقائد دونوں جگہ ہیں۔

یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ شخصیات کا تصادم صرف پچھلی صدی میں شروع ہوا ہے' جب شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کے مابین خالص علمی مسائل پر مناظرے شروع ہوئے۔ ان مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے ہنسی بھی آتی ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر امت کن چیزوں میں جھگڑ رہے تھے!! اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے یہ مسائل زیر بحث تھے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کے جواب میں "ہاں" کہئے تو یہ اللہ کی شان میں گستاخی ہے اور اگر "نہیں" کہئے تو اللہ ہر چیز پر قادر نہیں رہا۔ اب اس پر منطق کے گھوڑے دوڑاتے رہئے۔ دوسرا مسئلہ "امتناعِ نظیر" کا تھا کہ خود اللہ تعالیٰ بھی کوئی اور "محمدؐ" پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے تو محمدؐ رسول اللہ ﷺ بے مثل نہ رہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ محمد ﷺ کی نظیر ہو سکتی ہے اور یہ حضورؐ کی شان میں گستاخی ہو گئی۔ اور اگر یہ کہیں کہ اللہ کوئی اور محمدؐ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے تو اللہ کی شان میں گستاخی ہو گئی۔ میں یہ مرثیہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ حقائق کو سمجھیں۔ ہمارے بزرگ ان مسئلوں پر اُس وقت جھگڑ رہے تھے جب انگریز بنگال سے داخل ہو کر ہندوستان کو فتح کر رہا تھا۔ بعینہٖ یہی بات ایک ہزار برس قبل اُس وقت ہوئی تھی

جب سلطان محمد فاتح کی فوجیں قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے کھڑی تھیں (جو اب استنبول یا اسلام بول کہلاتا ہے) تو وہاں کے سب سے بڑے گرجا گھر ایا صوفیہ میں (جسے بعد میں مسلمانوں نے مسجد بنایا اور پھر اتاترک نے اسے ایک عجائب گھر کی شکل دے دی) عیسائی پادری ان مسائل پر مناظرے کر رہے تھے کہ ایک سوئی کی نوک پر کتنے فرشتے آسکتے ہیں؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو آخری کھانا تناول کیا تھا اس میں جو روٹی کھائی وہ خمیری تھی یا فطیری؟ اور یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے بعد بھی حضرت مریم باکرہ رہ گئیں یا نہیں رہیں؟ پچھلی صدی میں شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کے مابین شخصیتوں کا ٹکراؤ ہوا تو اس صدی میں مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے درمیان سارا معرکہ برپا ہوا۔ اور اس وقت دیوبندیوں اور بریلویوں میں جو بھی تندی اور تلخی ہے وہ ان دو حضرات کی وجہ سے ہے۔ میرے نزدیک یہ صرف "Personality Conflict" (شخصیات کا نزاع) ہے' اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس حوالے سے اہل حدیث کے بارے میں کچھ عرض یہاں میرے پیش نظر نہیں ہے' ان کا اپنا ایک فقہی مسلک ہے۔

اب آیئے اس موضوع پر کہ' سیاسی اعتبار سے ہماری مذہبی جماعتوں کا پس منظر کیا ہے! تقسیم ہند سے قبل ایک مذہبی جماعتیں وہ تھیں جو ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لئے ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کو صرف جائز اور ضروری ہی نہیں' لازم اور فرض سمجھتی تھیں' جس سے متحدہ قومیت کا تصور ابھرا کہ "آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔" یہ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا قول ہے۔ یعنی آج کل دنیا میں قومیت کا تشخص ملک کے حوالے سے ہوتا ہے۔ یہ ہندوستانی ہے' یہ ایرانی ہے' یہ امریکی ہے' قومی تشخص مذہب کے حوالے سے نہیں ہوا کرتا۔ ہم جب ہندوستانی ہیں تو مسلمان بھی ہندوستانی ہے اور ہندو بھی ہندوستانی ہے۔ یہ موقف جمعیت علمائے ہند اور خاص طور پر اس میں مولانا حسین احمد مدنی کے گروپ کا تھا جو پورے ہندوستان میں مذہبی قیادت کے حوالے سے بہت مضبوط اور طاقتور تھا۔ ان کے ہم خیال علماء' خطباء' ائمہ مدارس' معلمین اور مدرسین ہندوستان بھر میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور جماعت مجلس احرار اسلام تھی جس کا

پس منظر یہ ہے کہ اس کا موقف جمعیت علماء ہند کے برعکس تھا۔ یعنی پہلے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو طے کرنا چاہئے' پھر انگریز سے چھٹکارا پانے کی بات ہوگی' ورنہ یہاں کے ہندو ہمیں دبالیں گے اور ہمارا استحصال کریں گے۔ گویا اس ضمن میں ان کا موقف وہی تھا جو مسلم لیگ کا تھا۔ اس حلقے نے متحدہ قومیت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے حق میں آواز اٹھائی۔ اسی کی دہائی ہمارے سلہری صاحب ہمیشہ دیتے رہتے ہیں کہ پاکستان مسلم قومیت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ اسی موقف کی بنا پر دیوبندی علماء میں سے بھی ایک جماعت نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا' یعنی تھانوی حلقے کے علماء نے جن میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شامل تھے۔ مولانا تھانویؒ خود بھی مسلم لیگ کے موقف کے مؤید تھے۔ باقی زیادہ تر بریلوی علماء و مشائخ مسلم لیگ کے ساتھ آئے۔

ان کے علاوہ ایک تیسرا مکتبِ فکر بھی تھا جسے ایک اعتبار سے آپ بین بین بھی کہہ سکتے ہیں اور ایک مرکّب فکر کا حامل بھی۔ اس حلقے نے جداگانہ قومیت کا پُرزور اثبات کیا اور متحدہ قومیت کی زبردست نفی کی۔ اس اعتبار سے گویا تحریکِ مسلم لیگ کی تائید کی اور اس کی تقویت کا ذریعہ بنے۔ لیکن انہوں نے مسلم لیگ سے اپنا راستہ اس لئے جدا کرلیا کہ ان کا خیال یہ تھا کہ خالص قومی تحریک اور قومی جدوجہد سے اسلام قائم نہیں ہو سکتا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ہماری منزل اسلام قائم کرنا ہے' صرف ایک آزاد مسلمان ملک حاصل کرنا نہیں ہے' کیونکہ دنیا میں اور بھی بیسیوں آزاد مسلمان ممالک موجود ہیں لیکن کہیں بھی اسلام کا نظام قائم نہیں ہے۔ اگر ایسا ہی کوئی اور مسلمان ملک وجود میں آجائے تو کیا اس سے مسئلہ حل ہو جائے گا؟۔ یہاں سے ان کا راستہ تحریک مسلم لیگ اور تحریک پاکستان سے الگ ہو گیا۔ ابتداء میں' جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے' یہ صرف اختلاف تھا' لیکن رفتہ رفتہ اس میں مخالفت کا رنگ بھی پیدا ہوتا گیا۔ یہ حلقہ مولانا مودودی مرحوم کا تھا۔ جماعت اسلامی کے لوگ جب ثابت کرنے پر آتے ہیں کہ تحریک پاکستان میں مولانا مودودی کا بڑا حصہ ہے تو وہ اس اعتبار سے سچ کہتے ہیں کہ متحدہ قومیت کے خلاف اور مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے اثبات میں انہوں نے زبردست علمی اور قلمی جہاد کیا۔ اس معاملے میں علامہ

اقبال کے سب سے بڑے شارح مولانا مودودی ہیں۔ لیکن انہوں نے مسلم لیگ اور قائد اعظم سے زبردست اختلاف کیا۔ پاکستان بننے کے بعد ترجمان القرآن کے جو پہلے تین پرچے شائع ہوئے تھے ان میں مولانا مودودی نے اپنے اداریوں میں مسلم لیگ کے قائدین پر بڑی زبردست چارج شیٹ لگائی تھی اور انہیں تقسیم کے وقت بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے قتلِ عام کا مجرم گردانا تھا' صرف یہ احتیاط کی تھی کہ "قائد اعظم" کی بجائے "قیادتِ عظمیٰ" کا لفظ استعمال کرکے اس میں عموم پیدا کردیا تھا۔ مولانا نے لکھا تھا کہ یہ قیادتِ عظمیٰ اس قابل ہے کہ اسے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے' اگر انہیں اندازہ نہیں تھا کہ تقسیم ہند پر یہ کچھ ہونے والا ہے تو یہ کودن تھے' بے وقوف تھے' احمق تھے' جاہل تھے اور اگر اندازہ تھا اور اس کے باوجود یہ سب کچھ ہوا ہے تو یہ قاتل ہیں' مجرم ہیں۔

"جوڑ" کا عمل

اب آیئے اس سوال کی جانب کہ جوڑ کا عمل کیسے ہو؟ آپ کے سامنے ہماری مذہبی جماعتوں کا تاریخی اور نظریاتی پس منظر اور اس کا فرق و تفاوت آگیا ہے۔ اس حوالے سے اب آگے کی بحث ہمارے لئے آسان ہو جائے گی۔

دیوبندی اور بریلوی : اِس وقت دیوبندی علماء کے سیاسی عناصر کا ایک مجموعی جنرک نام (Generic Name) جمعیت علمائے اسلام ہے ، اس کے آگے دھڑے ہیں: فضل الرحمٰن گروپ اور سمیع الحق گروپ۔ ایک زمانے میں جمعیت علماء اسلام (حقیقی) بھی بنی تھی جیسے ایم کیو ایم (حقیقی) ہے۔ یہ تین دھاگے ایک ہی لڑی کے ہیں۔ گویا ایک لڑی تین دھاگوں میں بٹ چکی ہے۔ ان کا مذہبی مکتب فکر بھی ایک ہے اور سیاسی مکتب فکر بھی ایک ہی ہے۔ یہ مولانا مدنیؒ کے سیاسی مسلک کے قائلین ہیں اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ ان کے زعماء نے تحریک پاکستان سے کھلم کھلا دوٹوک الفاظ میں اعلانِ براءت کیا اور یہاں تک کہا کہ "پاکستان بنانے کے گناہ میں ہم شامل نہیں تھے"۔ اسی طرح بریلوی مکتب فکر کے علماء کی تنظیم کا جنرک نام جمعیت علمائے پاکستان ہے۔ اس کے بھی دو دھڑے تو نمایاں ہیں ہی' مولانا نورانی گروپ اور مولانا عبدالستار نیازی گروپ۔ ان کے علاوہ بھی کہیں جمعیت المشائخ کے

عنوان سے اور کہیں کسی اور حوالے سے مختلف اجتماعیتیں بنتی رہتی ہیں۔ کبھی حنیف طیب صاحب نے بھی اپنا ایک چھوٹا سا گروپ بنایا تھا۔

میں بصد ادب ان سب سے عرض کروں گا کہ بھائی' امت کے بڑے اتحاد سے پہلے' خدا کے لئے' ان دھاگوں کو توبٹ لو۔ "جمعیت علمائے اسلام" تو ایک ہو جائے۔ آپ کے مابین سوائے شخصی قیادت کے اختلاف کے اور کونسا جھگڑا ہے؟ آپ کا سیاسی پس منظر ایک' آپ کے عقائد ایک' آپ کا مسلک ایک' آپ بھی حنفی' وہ بھی حنفی' دونوں دیوبندی' آپ کے بزرگ ایک' وہی مولانا مدنی' مولانا تھانوی' اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی آپ سب کے بزرگ ہیں۔ اسی طرح "جمعیت علمائے پاکستان" سے بھی میری یہی گزارش ہے کہ خدا کے لئے ان تین دھاگوں کو جوڑ کے ایک بڑی لڑی بناؤ۔ آپ کے اتحاد میں کیا رکاوٹ ہے؟ وہ تو چلو دیوبندی ہیں' آپ تینوں تو بریلوی مکتب فکر سے متعلق ہیں۔ لہٰذا خدا کے لئے پہلے اپنے مختلف دھڑوں کو متحد کریں اور پھر بریلوی اور دیوبندی باہم جڑ جائیں۔ ایک زمانے میں اس کی ایک شکل سامنے آئی بھی تھی کہ مولانا نورانی میاں اور مولانا فضل الرحمٰن نے ایک اتحاد قائم کیا تھا۔ میرے نزدیک یہ اتحاد اس اعتبار سے غیر منطقی تھا کہ ابھی دونوں جمعیتوں کے دھڑے آپس میں نہیں جڑے تھے۔ گویا دھاگے جڑے نہیں اور اوپر لڑی جڑ رہی ہے۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ اتحاد کرنا ہے تو پہلے ان دھاگوں کو توبٹ لو۔ جمعیت علمائے اسلام کے دھڑے ایک ہو جائیں اور جمعیت علمائے پاکستان کے دھڑے ایک ہو جائیں۔ پھر ان لڑیوں کو آگے بٹا جا سکتا ہے' اس میں قطعاً کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں۔ وہ بھی حنفی' تم بھی حنفی' وہی تصوف کا مسلک تمہارا وہی ان کا' مدارس کا وہی نصاب تمہارا وہی ان کا۔ مدارس اور دار العلوم خواہ دیوبندی ہوں یا بریلوی' ان کے نصاب میں کوئی فرق نہیں۔ ان کے ہاں عقائد کی امہات الکتب ایک ہیں' فقہ' اصول فقہ' منطق اور فلسفے کی کتابیں ایک ہیں۔ حدیثیں ایک ہیں اور قرآن تو ہے ہی ایک۔ پھر یہ دونوں لڑیاں باہم متحد کیوں نہیں ہو سکتیں؟۔

البتہ "ثالثُ ثلاثہ" یعنی اہل حدیث حضرات کا ان کے ساتھ جوڑ نہیں ملتا' اس لئے کہ فقہی مسلک کے لحاظ سے ان کی ایک بالکل علیحدہ حیثیت ہے۔ لیکن ان کے بھی بہت

سے دھڑے ہیں۔ آج کل تو زیادہ نام سامنے نہیں آرہے ہیں لیکن ایک زمانے میں ان کے بے شمار دھڑے وجود میں آگئے تھے' جن میں ایک طرف علامہ احسان الٰہی ظہیر کا دھڑا اور دوسری طرف میاں فضل حق صاحب کا دھڑا زیادہ معروف تھے۔ اب بھی ان کے اندر متعدد دھڑے موجود ہیں۔ ان کو بھی چاہئے کہ یہ "جڑنے" کے عمل کا آغاز اپنے اندر تو کریں۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ اگر ہماری مذہبی جماعتیں واقعتاً چاہتی ہیں کہ یہاں اسلام آئے' اگر یہ خالی خولی دعویٰ نہیں ہے' محض سیاسی نعرہ نہیں ہے' اگر حقیقتاً کچھ کرنے کا ارادہ ہے' اگر صورتحال کی سنگینی اور اندرونی و بیرونی خطرات کا کوئی اندازہ ہے اور اگر اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں کے تمام مسائل کا حل ایک ہی ہے کہ یہاں اسلام قائم کیا جائے تو خدا کے لئے اپنے ان خود ساختہ اختلافات کو ختم کیجئے اور اس کی ترتیب یہی ہوگی جو میں نے بیان کی ہے۔

<u>تبلیغی جماعت اور دعوتِ اسلامی</u> : ایک دوسرے اعتبار سے دیکھئے۔ دیوبندی حلقے سے ایک بہت بڑی تحریک "تبلیغی جماعت" کی صورت میں اٹھی' جو خالص غیر سیاسی' تبلیغی اور اصلاحی تحریک ہے۔ اس کی عمر ستر برس سے زیادہ ہو چکی ہے اور بلا مبالغہ کروڑوں لوگ اس کے ساتھ ہیں' جن میں لاکھوں فعال ہیں۔ اس کی بہت بڑی تنظیم ہے اور اس میں پوری سوسائٹی کا "کراس سیکشن" موجود ہے۔ علماء بھی ہیں' فوجی آفیسر اور جوان بھی ہیں' سول ملازمین بھی ہیں' تاجر بھی ہیں' زمیندار پہلے نہیں تھے اب ان کا بھی کچھ رجحان ہو گیا ہے۔ الغرض معاشرے کے ہر طبقے کے افراد اس سے وابستہ ہیں لیکن اس کے ردِ عمل میں اب چند سال سے بریلوی طبقہ میں سے دعوتِ اسلامی کے نام سے ایک تحریک اٹھائی جا رہی ہے' جسے آپ تبلیغی جماعت کا "ری پرنٹ" کہہ لیں یا اس کی "کاربن کاپی"۔ بہرحال ابھی اس کی عمر بہت تھوڑی ہے اور اس میں صرف لوئر مڈل کلاس کے تاجر' دستکار یا ملازمت پیشہ افراد شامل ہیں۔ اوپر کے طبقات کے لوگ میرے علم کی حد تک اس میں نہیں ہیں۔ ان سے بھی میں یہی کہوں گا کہ آپ کا جوش و خروش بجا ہے' آپ کی نئی نئی تحریک ہے' لیکن بھائی آپ بھی حنفی ہیں وہ بھی حنفی' آپ بھی صوفی مزاج رکھنے والے ہیں وہ بھی صوفی مزاج ہیں۔ پھر یہ فرق کیوں؟ کیوں یکجا نہیں ہو جاتے؟۔ مل کر کوشش کریں' دین کی دعوت دیں'

اپنے مخصوص شعائر کی دعوت نہ دیں کہ ہری پگڑی ہو گی تو پہچانا جائے گا کہ یہ فلاں ہے۔ یہ تو تفرقہ پیدا کرنے والی باتیں ہیں۔

مشترک وفاق المدارس : تیسرے نمبر پر' جیسا کہ میں نے عرض کیا' دیوبندی اور بریلوی دونوں حلقوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بہت مخلص اور بہت فعال ہیں۔ یہ خالصتاً غیر سیاسی بھی ہیں اور غیر متحرک بھی۔ میری مراد مدرّسین ہیں جو دار العلوم چلاتے ہیں' بیٹھ کر "قال اللہ و قال الرسول" پڑھاتے ہیں۔ ان کا معاملہ بھی وہی ہے کہ ایک ہی نصاب پڑھا رہے ہیں' وہی کتابیں وہ پڑھا رہے ہیں' وہی آپ پڑھا رہے ہیں' درسِ نظامی کے پورے نصاب میں اول سے آخر تک ان کے مابین کوئی فرق ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ان کا ایک ہی وفاق المدارس با آسانی بن سکتا ہے۔ جب دونوں کے نصاب میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے تو پھر یہ صرف علامتی اختلاف اور اس کی وجہ سے تفرقہ آخر کیوں؟ میں پھر عرض کروں گا کہ اگر سنگینیٔ وقت کا کچھ اندازہ ہے کہ حالات کدھر جا رہے ہیں تو ان دھاگوں کو بٹ کر لڑیاں بنانے اور پھر ان لڑیوں کو باہم بٹنے کی پوری سنجیدگی کے ساتھ کوشش ہونی چاہئے۔ خدانخواستہ اب وہ صورت پیش نہ آئے کہ انگریز آ رہا تھا اور ہم جھگڑ رہے تھے' اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان پر ہماری ہزار سالہ حکومت ختم ہو گئی۔ اور جب انگریز گیا تو ملک کا اتنا بڑا حصہ ہندو کے رحم و کرم پر ہو گیا۔ لہٰذا خدارا "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے تحت یہ سب جمع ہو جائیں جو ان سب کے مابین متفق علیہ ہے۔

تحریک منہاج القرآن اور تنظیم الاخوان : اس کے بعد اب میں دو تحریکوں کا نام لے رہا ہوں۔ آج میں چاہتا ہوں کہ اس ضمن میں تجزیہ مکمل ہو۔ یہ ہیں تحریک منہاج القرآن اور تنظیم الاخوان۔ ان میں پہلی کے قائد علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اور دوسری کے قائد مولانا محمد اکرم اعوان صاحب ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں یہ جان لیجئے کہ یہ بہت حد تک فرقہ واریت سے بالاتر ہیں۔ بریلوی اور دیوبندی کی تقسیم کو انہوں نے کسی درجے میں بھی اپنایا نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں تحریکوں میں بھی پوری سوسائٹی کا کراس سیکشن موجود ہے' چنانچہ سول اور ملٹری بیوروکریسی' وکلاء' ٹیچر' پروفیسر اور تاجر

دونوں میں ہیں۔ ان کے مابین جو تیسری قدر مشترک ہے وہ یہ کہ ان دونوں کے ہاں خوابوں اور روحانیات کا تذکرہ اتنا غیر متناسب ہے کہ یہ مجھے حضور ﷺ 'صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں نظر نہیں آتا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ خواب سچے ہیں یا جھوٹے اور خواب دیکھا بھی ہے یا نہیں دیکھا' یا خواب میں جسے دیکھا ہے وہ کون تھا' وہ واقعتاً فرشتہ تھا یا کوئی شیطان تھا' یہ سب باتیں اللہ کے علم میں ہیں' لیکن بہرحال یہ باتیں دونوں کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ ایک کے ہاں تو یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہمارے پاس آجاؤ تو ہم براہ راست حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کروادیں گے' درمیان میں واسطے کا سوال ہی نہیں' اور کشفِ قبور سکھادیں گے کہ قبر پر کھڑے ہو کر بتادو کہ یہاں پر کسی کو عذاب ہو رہا ہے یا ثواب مل رہا ہے۔ میرا علم بہت محدود ہے لیکن اس کا کوئی تذکرہ مجھے نہ دورِ رسالت میں ملتا ہے' نہ دورِ صحابہؓ میں' نہ تابعین میں نہ تبع تابعین میں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کا جسدِ مبارک ابھی رکھا تھا' ابھی زیر زمین بھی نہیں گیا تھا' اور خلافت کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اُس وقت صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں مراقبہ کر کے حضور ﷺ سے دریافت کر لیتا ہوں۔ اس سے سارے جھگڑے طے ہو جاتے۔ اور چلئے یہ معاملہ تو جلدی طے ہو گیا' بعد میں جو ایک لاکھ مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے قتل ہوئے' اس خونریزی سے بچنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مراقبہ کیوں نہ کر لیا کہ حضور ﷺ کی روحِ مطہر سے براہ راست راہنمائی حاصل کر لیتے۔ اسی طرح نہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یہ مراقبہ کر سکے اور نہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہ براہ راست روحِ محمد ﷺ سے معاملات کا حل دریافت کر لیتے۔ بہرحال یہ چیزیں میرے مزاج سے بُعد رکھتی ہیں۔ ان میں سے کسی کی براہ راست دربارِ نبویؐ تک رسائی ہے اور کوئی بارگاہِ جیلانی سے اپنے حکمنامے اور تقرری کے پروانے لے کر آتے ہیں۔ میں ان چیزوں کو جھوٹ نہیں کہتا لیکن اسے میری وہابیت سمجھ لیجئے کہ مجھے ان چیزوں سے مناسبت نہیں ہے' کیونکہ مجھے بہرحال سلف صالحین میں یہ چیزیں نظر نہیں آتیں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کے مرشد مولانا اللہ یار صاحب چکڑالوی سے میری دو مرتبہ ملاقات ہوئی اور میں بعض اعتبارات سے ان سے بہت متاثر ہوا' لیکن اس ایک پہلو کی وجہ سے میں ان

ہ مغائرت محسوس کی جس کا میں نے آپ کے سامنے اقرار کیا ہے۔
پھر یہ کہ پچھلے دنوں ہم نے ان دونوں تحریکوں کے اکابر سے رابطہ قائم کیا تھا اور
تراکِ عمل کے امکانات کا جائزہ لیا تھا کیونکہ دونوں انقلاب کا نام لیتے ہیں۔ ایک کا سلسلہ
ریہ ہے ایک کا اویسیہ نقشبندیہ ہے۔ ہم نے یہ سمجھنے کی کوشش کی تھی کہ ان کے پیش
اِنقلاب کا لائحہ عمل ہے کیا؟ لیکن اسے ہماری کم فہمی سمجھئے یا سخن ناشناسی کا نام دیجئے کہ
ں تاحال کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے سامنے انقلابی عمل کے کیا مراحل ہیں اور وہ
ں طور سے انقلاب لانا چاہتے ہیں؟ بہرکیف میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں تحریکوں کو
اہو جانا چاہئے' ان میں بہت سے معاملات مشترک ہیں۔

<u>ں احرار اور خاکسار تحریک</u> : شروع میں میں نے مجلس احرارِ اسلام کا تذکرہ کیا تھا۔
طرح ماضی میں ہمارے ہاں خاکسار تحریک کا بھی بہت بڑا شہرہ ہوا' لیکن اب یہ
دں جماعتیں تاریخ کے عجائب گھر کی زینت بن چکی ہیں۔ البتہ ان سے وابستہ مخلص افراد
میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ ایسی نئی تحریکوں میں شامل ہو جائیں جو ان کے نظریات سے
ب تر ہیں اور ان کی تقویت کا باعث بنیں۔

عت اسلامی ۔ ایک اصولی انقلابی جماعت؟

اور ع اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی!۔۔۔ اب ذکر ہے مولانا مودودی اور
نت اسلامی کا!۔۔۔ علامہ اقبال کی ملی شاعری کا ڈنکا ۱۹۰۸ء میں بج چکا تھا' جبکہ مولانا آزاد
حزب اللہ ۱۹۱۳ء میں قائم ہوئی تھی۔ ان دو اکابر کے افکار و نظریات سے فیضیاب ہو کر
نا مودودی میدان میں آئے۔ انہوں نے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی قائم کی۔ اس سے
انہوں نے متحدہ قومیت کی مخالفت میں جمعیت علماء ہند پر شدید تنقیدیں کیں' جس سے
مسلمانوں کی قومی تحریک کو تقویت پہنچی۔ پھر انہوں نے مسلم قوم پرستی کو بھی اسلام
خلاف قرار دیا اور مسلم قومی تحریک اور مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کر لی اور پھر ۱۹۴۱ء
جماعت اسلامی قائم کی۔ یہ جماعت اِس وقت کی تمام جماعتوں میں اس اعتبار سے منفرد
لہ یہ ایک شخص کی دعوت اور اس کی فکر پر قائم ہونے والی جماعت ہے۔ اس کے جو

عمدہ و اعلیٰ اوصاف آج تک بھی برقرار ہیں وہ نوٹ کیجئے :

(۱) یہ فرقہ واریت سے بالکل بالاتر ہے۔ اسی بنا پر کوئی انہیں وہابی کہہ دیتا ہے تو کو غیر مقلد کا نام دیتا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو فرقہ واریت اور مسلک سے بلند تر رکھا ہے اور جماعت اسلامی کی دعوت کے اندر کسی مسلک یا فرقے کی طرف دعوت شامل نہیں ہے۔

(۲) اس تحریک کا بنیادی فکر اصلِ دین اور اس کی تفہیم، دعوتِ دین، اور اقامتِ دین کی جدوجہد کی دعوت پر مشتمل تھا۔

(۳) اس تحریک میں شامل ہونے والوں کی عظیم اکثریت سکولوں اور کالجوں سے تعلیم یافتہ لوگوں کی تھی۔ ابتداء میں علماء میں سے کچھ اہلحدیث اور کچھ دیوبندی اکابر بھی شامل ہوئے تھے لیکن جلد یا بدیر وہ اس سے علیحدہ ہو گئے، بلکہ پت جھڑ کے پتوں کی طرح جھڑتے چلے گئے۔ ابتداء میں جماعت میں شامل ہونے والے علماء میں مولانا محمد منظور نعمانی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا جعفر شاہ پھلواروی، اور مولانا شاہ صبغت اللہ بختیاری جیسی شخصیتیں شامل تھیں۔ ان چار میں سے کم از کم پہلے دو ناموں سے تو بہت سے لوگ واقف ہوں گے۔ اس کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن، مولانا عبدالجبار غازی اور مولانا عبدالرحیم اشرف کے علاوہ علماء میں سے مختلف لوگ جماعت میں آئے۔ مفتی سیاح الدین کاکاخیل اگرچہ جماعت میں شامل نہیں ہوئے، لیکن اس کے مؤید تھے۔ اسی طرح مولانا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ والے، جو بہت بڑے عالم دین اور مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگردِ رشید تھے، وہ بھی جماعت میں شامل نہیں ہوئے، لیکن مولانا مودودی کی تائید کرتے رہے۔ شروع میں اس طرح کے متعدد حضراتِ علم و فضل جماعت میں آئے لیکن اکثریت اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے۔

(۴) اس تحریک کا سیاسی موقف بھی بالکل منفرد اور یکتا (Unique) تھا، جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، یعنی ایک طرف متحدہ قومیت کی مخالفت، جو گویا کہ مسلمانوں کی قومی تحریک کی تائید اور مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے ساتھیوں کی اور مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے ہم خیال لوگوں کی مخالفت کے مترادف تھی۔ لیکن دوسری طرف تحریکِ

کستان سے محض لاتعلقی اور علیحدگی ہی نہیں' بلکہ اس سے بڑھ کر آخری ایام میں اس کی شدید مخالفت۔

(۵) اہم ترین بات یہ ہے کہ اس تحریک نے بالکل واضح تصور دیا کہ دنیا میں "اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے"۔ اس عنوان سے مولانا مودودی کا ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے جو انگریزی میں "The Process of Islamic Revolution" اور عربی میں "منہج الانقلاب الاسلامی" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ میں آج بھی اس کتابچے کو حرف بحرف صحیح سمجھتا ہوں۔ اس موضوع پر مولانا مرحوم نے علی گڑھ کے سٹریچی ہال میں ۱۹۴۰ء میں خطاب بھی فرمایا تھا (اور عجیب اتفاق یہ ہوا ہے کہ ۱۹۸۰ء میں' ٹھیک چالیس سال برس بعد' مجھے بھی وہاں جاکر ایک خطاب کا موقع ملا)۔ مولانا مودودی کے پیش کردہ طریق کار کے دو نکات تو بالکل نمایاں اور واضح تھے جبکہ اس کا تیسرا نکتہ غیر واضح تھا۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اسے وقتی مصلحت کی وجہ سے واضح نہ کیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ خود ان کے اپنے ذہن میں بھی واضح نہ ہو۔ اس طریق کار کے دو نکات جو واضح تھے' وہ یہ تھے کہ (۱) پہلے خود مسلمان بنو' لیکن نام کے مسلمان نہیں' بلکہ عملی مسلمان جو حلال و حرام میں تمیز کرنے والے ہوں' حلال پر کاربند ہوں' حرام سے مجتنب ہوں اور فرائض کے پابند ہوں۔ (۲) پھر ایک مضبوط ڈسپلن والی جماعت میں شامل ہو جاؤ' اور اپنے تن من دھن کو اسی دعوت کے پھیلانے میں لگا دو۔ اس پر مولانا مرحوم نے ایک معرکۃ الآراء مضمون "ایک صالح جماعت کی ضرورت" کے عنوان سے لکھا تھا' جس کے نتیجے میں پھر ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی قائم ہوئی۔ اور یہ کام درحقیقت سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۴ کے حوالے سے ہوا تھا:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ' وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

سورۂ آل عمران کی آیات ۱۰۲' ۱۰۳ اور ۱۰۴ کی روشنی میں اب میری ایک کتاب "امتِ مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل" کے عنوان سے موجود ہے۔ ان تین آیات میں

ایک مکمل لائحہ عمل بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ پہلی آیت (نمبر۱۰۲) میں ایک انفرادی لائحہ عمل دیا گیا ہے، یعنی امت کے افراد تقویٰ اختیار کریں، خود متقی اور پرہیزگار بنیں:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾

"اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور دیکھنا تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر اس حال میں کہ تم (اللہ کے) فرمانبردار رہو"۔

دوسری آیت (نمبر۱۰۳) میں حیاتِ ملی کے استحکام کا نکتہ بیان کر دیا گیا ہے کہ جب مسلم اجتماعیت کی ہر اینٹ پختہ ہو جائے تو پھر ان اینٹوں کو باہم کیسے جوڑا جائے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا....﴾

"اور اللہ کی رسی (یعنی قرآن) سے مجموعی طور پر چمٹ جاؤ، اور باہم تفرقہ میں مت پڑو..."

تیسری آیت (نمبر۱۰۴) میں اجتماعی لائحہ عمل بیان کر دیا گیا کہ اب ایسے افراد باہم مل کر ایک اجتماعیت وجود میں لائیں، ایک جماعت بنائیں، جو تین کام کرے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾

"اور چاہئے کہ تم سے ایک ایسی جماعت وجود میں آئے جو خیر کی دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور بدی سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

مجھے مولانا مودودی کے بیان کردہ طریق کار پر آج بھی صدفی صد یقین ہے، سوائے اس ایک مسئلے کے کہ جب یہ فضا تیار ہو جائے تو آخری قدم کیا ہو گا؟ مولانا کے اس مقالے میں یہ نکتہ غیر واضح اور تشنہ ہے۔

بہر حال میں نے اِس وقت جماعت اسلامی کی خصوصیات کے حوالے سے جو پانچ نکات بیان کئے ہیں ان کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جماعت اسلامی کا آغاز ایک خالص اصولی اسلامی انقلابی

جماعت کے طور پر ہوا تھا۔ وہ نہ تو معروف معنی میں کوئی سیاسی جماعت تھی اور نہ ہی معروف معنی میں کوئی مذہبی جماعت تھی' اس لئے کہ وہ فرقہ واریت کی بنیاد پر قائم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اسے ہماری بدقسمتی کہئے یا جماعتی قیادت کی کوتاہی کہ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے غلط قدم اٹھایا اور انتخابی سیاست میں کود پڑے۔ ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی نے بھرپور حصہ لیا اور اس کے نتیجے میں پوری تحریک کی قلبِ ماہیت ہو گئی۔

میں نے جماعت کے بارے میں ۱۹۵۶ء میں یہ الفاظ لکھے تھے کہ :

"یہ جماعت خالص اصولی اسلامی انقلابی جماعت کی بجائے ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت بن گئی ہے"۔

اپنے اس تجزیے میں میں نے تین الفاظ کو تین الفاظ کے مقابلے پر رکھا ہے' اصولی' اسلامی' انقلابی بمقابلہ اسلام پسند' قومی' سیاسی جماعت۔ ۱۹۵۶ء میں مَیں نے جماعت اسلامی کے ایک رکن ہونے کی حیثیت سے ایک مفصل بیان تحریر کیا تھا' جسے دس برس بعد ۱۹۶۶ء میں اڑھائی سو صفحے کی کتاب کی صورت میں "تحریکِ جماعت اسلامی' ایک تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ کتاب آج بھی شائع ہوتی ہے اور اس میں میری ۱۹۵۶ء کی تحریر حرف بحرف جوں کی توں موجود ہے۔ جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

جماعت اسلامی کے تین "خروج"

تین مختلف مراحل پر جماعت اسلامی سے جو خروج (Exodus) ہوئے ہیں' اب کچھ تذکرہ ان کا بھی ہو جائے۔ پہلا خروج جماعت کے قیام کے دو سال بعد ہی ۱۹۴۳ء میں ہو گیا تھا' لیکن یہ خالص شخصی بنیادوں پر تھا۔ حلقہ دیوبند کے علماء کی اکثریت جو جماعت میں آئی تھی اس نے جلد ہی اس رائے کا اظہار کیا کہ مولانا مودودی مرحوم جو کام لے کر اٹھے ہیں یہ کام اگرچہ بہت صحیح ہے اور بہت بلند ہے لیکن مولانا مودودی کی اپنی شخصیت اور ان کا اپنا تقویٰ اور تدیّن اس معیار کا نہیں ہے جو اس کام کے لئے ضروری ہے۔ یہ اختلاف نہ نظریاتی اختلاف تھا نہ پالیسی کا' بلکہ صرف شخصی اختلاف تھا۔ چنانچہ اس موقع پر مولانا منظور

نعمانی' مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا جعفر شاہ پھلواروی سمیت جماعت کے قریباً ایک تہائی ارکان جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔

اس کے بعد دوسرا ایکسوڈس یا خروج ۵۷-۱۹۵۶ء میں ہوا' جس کے اندر میں بھی شامل تھا' اور مولانا مودودی کے دستِ راست مولانا امین احسن اصلاحی بھی شامل تھے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اس مرحلے پر جماعت سے الگ ہونے والوں میں گویا چوٹی پر اصلاحی صاحب کا اور فرش پر میرا نام تھا اور درمیان میں آپ درجہ بندی کرتے چلے جایئے' ہر درجے کے لوگ شامل تھے۔ اس کی بنیاد خالص پالیسی کا اختلاف تھا۔ الگ ہونے والوں کا موقف یہ تھا کہ ہم نے الیکشن میں حصہ لے کر اپنے آپ کو غیر معمولی طور پر سیاسی بنا لیا ہے اور اس طرح ہم ایک غلط موڑ مڑ آئے ہیں' لہٰذا یہاں سے واپس مڑ کر ہمیں اسی علمی و فکری اور ذہنی انقلاب کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور عملی انقلاب کی جدوجہد پر اپنی پوری توجہات کو مرکوز کر دینا چاہئے۔ اس مرحلے پر تقریباً تمام اہلحدیث علماء بھی جماعت سے نکل گئے اور جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے تقریباً نصف ارکان جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ مولانا اصلاحی صاحب کو شورش کاشمیری مرحوم کبھی مولانا مودودی کے "اینجلز" لکھا کرتے تھے اور کبھی ان کے "حکیم نور الدین" قرار دیتے تھے۔ یعنی مولانا اصلاحی صاحب کی حیثیت مولانا مودودی کے ساتھ ایسی تھی جیسے مارکس کے ساتھ اینجلز جڑا ہوا تھا' یا جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کو سارا علمی مواد حکیم نور الدین فراہم کیا کرتا تھا۔ لیکن مولانا اصلاحی بھی اس مرحلے پر جماعت سے علیحدہ ہو گئے' بلکہ انہوں نے مولانا مودودی پر ایک الزام ذاتی بھی لگایا کہ ان کے مزاج میں آمریت ہے مشاورت نہیں' جبکہ جماعت کا دستور جمہوری تھا اور جماعت کو ایک دستوری بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔

تیسرا ایکسوڈس ۹۵-۱۹۹۴ء میں ہوا۔ اس میں علیحدہ ہونے والوں میں سے نمایاں ترین نام نعیم صدیقی صاحب کا ہے۔ نعیم صدیقی اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ پنجاب میں مولانا مودودی کے ساتھ جو سب سے پہلا شخص متعلق ہوا وہ جناب نعیم صدیقی ہیں۔ وہ جماعت اسلامی کے قائم ہونے سے بھی تین سال پہلے مولانا کے ساتھ منسلک ہوئے جب علامہ اقبال کی دعوت پر مولانا مودودی دار السلام (پٹھانکوٹ' ضلع گورداسپور) آئے تھے۔

باقی سب لوگ بعد کی پیداوار ہیں۔ اور اب انہوں نے جماعت کی حالتِ زار پر بڑے درد انگیز مرثیے کہے ہیں۔ ان کا جماعت سے اب جو اختلاف ہوا ہے اس میں پالیسی کا اختلاف کم ہے اور خاص طور پر قاضی حسین احمد صاحب کی شخصیت کے حوالے سے زیادہ ہے۔ حالیہ انتخابات میں' بقول ان کے' جو رکیک اور مبتذل قسم کی حرکات کی گئی ہیں انہوں نے جماعت کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملادی ہے۔ گویا۔

پہلے ہی اپنی کونسی ایسی تھی آبرو
پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی

اور ان کا کہنا ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر معاملہ مالیاتی سکینڈلز کا ہے۔ اس حلقے کے اندر یہ بات عام کہی جا رہی ہے کہ قاضی صاحب نے پہلے نواز شریف سے دس کروڑ لیا تھا' پھر منحرف ہو گئے اور پھر حکومت سے دس کروڑ لے کر اپنا علیحدہ محاذ قائم کیا۔ واللہ اعلم۔ میں صرف ان کی ترجمانی کر رہا ہوں۔ بہرحال انہوں نے ایک جماعت بھی بنالی ہے اور اس کا کنونشن بھی ہوا ہے۔ پہلے اس کا نام "تحریکِ فکرِ مودودی" تھا اور اب یہ "تحریکِ اسلامی" کے نام سے جمع ہو چکے ہیں۔ جماعت سے الگ ہو کر جتنے لوگ ان کے ساتھ آئے ہیں ان سے زیادہ وہ ہیں جو آنے کو تیار بیٹھے ہیں' کیونکہ جماعت کے اندر ابھی اس حلقے کے کافی ہم خیال لوگ موجود ہیں۔

جماعت اسلامی کے خروج - نتائج کے آئینے میں!

اب ذرا یہ دیکھ لیجئے کہ ہر مرحلے پر ہونے والے خروج (exodus) کے کیا نتائج نکلتے رہے ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لوگ علیحدہ ہوئے ان کے اکابر تبلیغی جماعت میں چلے گئے۔ ان میں مولانا علی میاں بھی تھے اور مولانا منظور نعمانی بھی۔ باقی لوگ اپنے اپنے طریقے سے کسی کام میں لگ گئے۔

دوسرے مرحلے پر یعنی ۵۷-۱۹۵۶ء میں جو اختلاف ہوا اس کے بعد پہلے پہل بہت کوششیں ہوئیں کہ کوئی جماعت سازی ہو جائے اور ایک جماعت بن جائے۔ اس سلسلے میں مولانا اصلاحی صاحب نے بھی بڑی کوششیں کیں' مگر ناکامی ہوئی۔ لیکن اُس وقت ایک

نوجوان نے' جو اَب بوڑھا ہو گیا ہے اور آپ سے مخاطب ہے' اپنی جدّوجہد کو برقرار رکھا' جس کے نتیجے میں ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم ہوئی۔ اس تنظیم میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور یہ اکثر و بیشتر نئے لوگوں پر مشتمل ہے۔ ع "اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے" کے مصداق میرے اپنے دروسِ قرآن' میری تقریروں اور تحریروں کے نتیجے میں لوگ جمع ہوئے ہیں۔ لیکن میرا موقف یہ ہے کہ میں اسی اصل تحریکِ جماعت اسلامی کا تسلسل ہوں۔ میں اب بھی اپنے آپ کو اسی کی طرف منسوب کرتا ہوں۔ اپنی منزل سے انحراف سے پہلے کی جو جماعت تھی میں اس کے ساتھ متفق ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ میں اسی نہج پر کام کر رہا ہوں۔

تیسرے مرحلے پر' جیسا کہ میں نے عرض کیا' نعیم صدیقی صاحب اور ان کے ساتھی پہلے تحریک فکر مودودی کے نام سے اور اب تحریک اسلامی کے نام سے جمع ہو گئے ہیں۔ پچھلے دنوں جب میرے چھوٹے بھائی برادرم اقتدار احمد کا انتقال ہوا تو ایک عجیب سی صورت پیدا ہو گئی کہ قاضی حسین احمد صاحب اور نعیم صدیقی صاحب میرے پاس تعزیت کے لئے آئے تو اتفاقی طور پر دونوں ایک ہی وقت پر پہنچ گئے۔ میں نے اس وقت بھی سورۂ انفال میں وارد شدہ یہ قرآنی الفاظ پڑھے تھے : "لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعَادِ" یعنی اگر آپ پہلے سے طے کر کے آتے کہ ایک ہی وقت میں جانا ہے تب بھی کچھ آگے پیچھے ہو جاتا' لیکن اللہ نے آپ کو یہاں جمع کر دیا ہے۔ پھر ہمارا اس موقع کا ایک فوٹو بھی "ندائے خلافت" میں چھپ گیا جس میں درمیان میں' میں بیٹھا ہوں' میرے دائیں ہاتھ جناب نعیم صدیقی صاحب اور بائیں ہاتھ قاضی حسین احمد صاحب ہیں۔

جماعت' تنظیم اور تحریک --- قدرِ مشترک اور مابہ الاختلاف امور

یہ جو تینوں دھڑے ہیں ان کے مابین کیا چیز قدر مشترک ہے اور کیا مابہ الاختلاف ہے؟ اس کو نوٹ کر لیجئے۔ یہ بھی ایک ہی لڑی کے تین دھاگے ہیں' اسی طرح جیسے جمعیت علماء اسلام کی لڑی کے تین دھاگے ہیں' اور جمعیت علمائے پاکستان اور جمعیت اہلحدیث کی لڑیوں کے مختلف دھاگے ہیں۔ اس لڑی کے جو یہ تین دھاگے ہیں ان میں مندرجہ ذیل اقدار

مشترک ہیں :

(۱) دین کا ہمہ گیر تصور کہ وہ ایک مکمل نظام زندگی ہے جو اپنا غلبہ اور مکمل تسلّط چاہتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے جزوی اطاعت نہیں بلکہ مکمل اطاعت اور انقیاد کا مطالبہ کرتا ہے۔

(۲) فرائض دینی کا یہ تصور کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کرنا ہر بندۂ مومن کا فرض عین ہے۔ اگر وہ یہ نہیں کرتا تو قانونی مسلمان تو شمار ہو سکتا ہے حقیقی مومن شمار نہیں ہو سکتا۔ ان تصورات پر ہم سب متفق ہیں۔

(۳) مولانا مودودی مرحوم نے "اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے" میں جو اساسی طریق کار پیش کیا ہے اس پر بھی ہم سب کا اتفاق ہے۔ یعنی پہلے خود مسلمان بنو' پھر معاشرے اور ریاست کو مسلمان بنانے کے لئے ایک منظم جماعت میں شامل ہو کر تن من دھن سے کوشش کرو۔ پھر اس میں بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ سارا کام قرآن کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ مولانا مودودی ایک بہت بڑے مصنف اور مفکر تھے اور ان کی بعض تعبیرات اور علمی آراء سے اختلاف ہو سکتا ہے' لیکن اِس وقت میں مولانا مودودی کی نہیں' جماعت اسلامی کی بات کر رہا ہوں۔ چنانچہ مولانا مودودی کے بیان کردہ علمی مسائل' تعبیرات اور تشریحات سے قطع نظر' اصل تحریک کے دو تصورات یعنی دین کا تصور اور فرائضِ دینی کا تصور ہمارے درمیان قدرِ مشترک ہیں۔ اس کے علاوہ انقلابِ اسلامی کا اساسی طریق کار' جس کی توضیح "اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے" نامی پمفلٹ میں ہے' وہ بھی متفق علیہ ہے یعنی پہلے خود مسلمان بنو' حلال اور حرام پر کاربند رہو' پھر باہم جڑو اور ایک منظم طاقت بنو اور اب یہ طاقت استعمال ہو گی دین کو غالب کرنے کے لئے۔ البتہ دین کے غلبے کے لئے آخری قدم کیا ہو گا؟ یہ معاملہ ہمارے مابین بنائے نزاع ہے۔ کیا وہ الیکشن ہے؟ تنظیم اسلامی کا موقف اس اعتبار سے سخت ترین ہے کہ الیکشن سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ نعیم صدیقی صاحب کی زیر قیادت بننے والی تحریک اسلامی بھی الیکشن سے تقریباً تائب ہو چکی ہے۔ البتہ جماعت اسلامی' جسے اِس وقت "قاضی حسین احمد اینڈ کمپنی" سے تعبیر کیا جا

سکتا ہے' یعنی جماعت کے موجودہ امیر اور اس کے عام کارکن جو اسی سیاسی دور کی پیداوار ہیں' وہ اس پر عازم اور جازم ہیں کہ اِس وقت راستہ تو بس یہی الیکشن کا راستہ ہے۔

الیکشن میں حصہ لینے کے بارے میں تنظیم اسلامی کا موقف

اب ذرا یہ سمجھ لیجئے کہ الیکشن کے بارے میں میرا اور تنظیم اسلامی کا اب تک موقف کیا ہے؟

(۱) ہمارے نزدیک تاریخ انسانی میں آج تک کوئی انقلاب انتخابات کے ذریعے نہیں آیا۔ (واضح رہے کہ انقلاب سے مراد Politico-Socio Economic System میں کوئی بنیادی تبدیلی ہے) یہ بات تاریخی طور پر طے شدہ ہے۔ انتخابات کے ذریعے سے نہ ایران میں آیت اللہ خمینی کی حکومت بن سکتی تھی اور نہ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ' الیکشن کے ذریعے سے محمد رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں اور پھر پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی حکومت قائم کر سکتے تھے۔ یہ میں نے چودہ سو برس کے فصل سے دو مثالیں آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں' درمیانی خلا آپ خود پُر کر لیجئے۔

(۲) ہمارے نزدیک الیکشن پہلے سے قائم کسی نظام کو چلانے کے لئے ہوتے ہیں' کسی نظام کو تبدیل کرنے کے لئے نہیں۔ امریکہ میں دونوں انتخابی حریف یعنی Democrates اور Republicans امریکہ میں قائم نظام پر متفق ہیں۔ ان کے مابین فرق صرف پالیسی سے متعلق بعض معاملات میں ہے۔ مثلاً ٹیکسیشن پالیسی میں کوئی باریک سا فرق ہو گا' یا اسی طرح ہیلتھ پالیسی میں کوئی معمولی فرق ہو گا۔ اسی طرح انگلستان میں خواہ لیبر پارٹی ہو یا کنزرویٹو پارٹی' ملک میں رائج موجودہ نظام پر ان دونوں کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض جزوی معاملات میں مثلاً تارکین وطن کے بارے میں پالیسی پر یا ٹریڈ یونینز پالیسی پر ان کے مابین اختلاف ہو سکتا ہے۔ بہرکیف الیکشن ہوتے ہیں کسی نظام کو چلانے کے لئے' بدلنے کے لئے نہیں۔

(۳) الیکشن خواہ کتنے ہی صاف و شفاف اور غیر جانبدارانہ و منصفانہ کیوں نہ ہوں'

معاشرے میں موجود جو بھی اقتصادی Power bases ہوں گے یا بالفاظِ دیگر معاشی و اقتصادی ڈھانچے پر جن طبقات کا تسلط ہو گا' ان انتخابات کے نتائج میں انہی کی reflection (عکاسی) ہو گی۔ اگر وہاں جاگیرداری نظام قائم ہے تو کوئی جاگیردار ہی انتخابات کے ذریعے اوپر آئے گا۔ اسی پچاسی فیصد نشستوں پر وہی قابض ہوں گے' باقی پندرہ بیس فیصد محض ڈگڈگی بجاتے رہ جائیں گے۔ اصل کھیل تو جاگیردار ہی کھیلے گا' چاہے وہ روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے پہ آیا ہو اور چاہے کسی اور نعرے کے بل پر اسمبلی میں پہنچا ہو' لیکن جاگیردار بہرحال جاگیردار ہی رہے گا خواہ وہ اپنے اوپر کوئی بھی لبادہ اوڑھ لے۔ بھٹو کو اللہ نے جاگیرداری نظام کو جڑ سے اکھاڑنے کا موقع دیا تھا۔ اگر وہ اپنے سوشلزم کے ساتھ ہی مخلص ہوتا تو وہ اس ملک کا ماؤزے تنگ بن سکتا تھا' لیکن وہ بھی اپنی جاگیردارانہ کھال (Skin) سے باہر نہ نکل سکا اور اس نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اندر سے وہ بھی جاگیردار ہی تھا۔ لہٰذا موجودہ مروجہ نظام کے تحت جب بھی الیکشن ہوں گے' نتیجہ وہی نکلے گا۔ وہی جاگیردار طبقہ آپ کو اسمبلی کی نشستوں پر براجمان اور اقتدار کی غلام گردشوں میں متحرک نظر آئے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ کچھ نام بدل جائیں گے یا کچھ چہرے بدل جائیں گے' بات وہیں کی وہیں رہے گی۔ اِس وقت ایک بہت بڑے جاگیردار یعنی سرجمال خان لغاری کا پوتا آپ کا صدر ہے اور ایک بہت بڑے جاگیردار یعنی سرشاہ نواز بھٹو کی پوتی آپ کی وزیراعظم ہے۔ دونوں "سروں" کی اولاد ہیں۔

مذکورہ بالا تین نکات سے ہم جو نتیجہ نکالتے ہیں وہ یہ ہے کہ نظام اسلام کے قیام کے لئے الیکشن میں حصہ لینا "Exercise in futility" کے سوا کچھ نہیں ہے' یہ محض قوت اور وقت کا ضیاع ہے۔ تاہم الیکشن کے بارے میں اپنے اس موقف کا بھی میں ہمیشہ اظہار کرتا رہا ہوں کہ یہ حرام نہیں ہیں۔ میں نے مولانا صوفی محمد صاحب سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کئی بار کیا ہے جو مالاکنڈ کی تحریک نفاذِ شریعت کے قائد ہیں۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ الیکشن میں ووٹ دینا بھی حرام ہے اور الیکشن لڑنا بھی حرام ہے۔ میں ان کے پاس حاضر ہوا تھا۔ دیر کے ایک دور دراز علاقے میں "میدان" نام کا ایک مقام ہے' جہاں صوفی صاحب رہائش

پذیر تھے۔ میں ان سے ملنے کے لئے وہاں پہنچا اور عرض کیا کہ مولانا! میں اس حد تک آپ سے متفق ہوں کہ الیکشن کا اس لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے دین نہیں آسکتا' لیکن آپ اس کو حرام کہہ رہے ہیں تو اس کے لئے کوئی وزنی دلیل درکار ہے۔ اس کے لئے آپ کو علماء کے سامنے اپنے دلائل پیش کر کے ان کا اتفاقِ رائے حاصل کرنا چاہئے۔ میں بہرحال اسے حرام نہیں کہہ سکتا اور میں نے کبھی بھی اس کو حرام قرار نہیں دیا۔

دوسرے' میں یہ بھی ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ جو لوگ خلوص و اخلاص کے ساتھ قائل ہیں کہ اس ذریعے سے یہاں واقعتاً کوئی تبدیلی آسکتی ہے' اسلامی نظام آسکتا ہے تو وہ ضرور اس کے لئے کام کریں' تاہم ایسے لوگوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ باہم متحد ہو جائیں' تاکہ اسلام کے نام پر الیکشن میں حصہ لینے والے تو ایک پلیٹ فارم پر آجائیں۔ اگر آپ نے اسلام کو ایک پارٹی ایشو بنا ہی لیا ہے تو معاشرے میں اسی بنیاد پر polarization ہو جانی چاہئے۔ سیکولر ذہن کے لوگ ایک طرف ہوں اور مذہبی ذہن کے لوگ ایک طرف۔ اور اگر مذہبی کیمپ پانچ حصوں میں بٹا ہوا ہو گا تو پھر وہی کچھ ہو گا جو اب تک ہو رہا ہے کہ دن بدن عزت کا دھیلا ہو رہا ہے۔ علماء کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ ان کے کچھ بیانات ضرور اخبارات میں چھپ جاتے ہیں لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ معاشرے پر علماء کی گرفت بتدریج ڈھیلی ہوتی چلی جارہی ہے۔ اور یہ سارا نتیجہ اس غلط حکمت عملی کا ہے جو ان کی طرف سے اختیار کی گئی ہے۔

ایک اہم پیشکش----ایک قابل عمل تجویز
تینوں جماعتوں پر مشتمل "وفاق" کا قیام

اب اس کے ساتھ ساتھ میری ایک پیشکش (offer) ہے جو میری آج کی معروضات کا آخری نکتہ ہے۔ میں یہ آفر مسلسل کرتا رہا ہوں کہ اگر جماعت اسلامی انتخابات سے تائب ہو جائے تو میں اور میری ساری تنظیم اس میں مدغم ہو جائیں گے۔ آپ پوچھ سکتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بارے میں تو کوئی فیصلہ کر سکتا ہے مگر اپنی تنظیم کے بارے میں یہ بات

کیسے کہہ سکتا ہے؟ لیکن میں یہ بات اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ میری تنظیم بیعت کی بنیاد پر قائم ہے اور جماعت اسلامی میں شامل ہونے کا میرا حکم ہرگز کوئی حرام کام کا حکم نہیں ہے' لہٰذا میرے رفقاء اپنی بیعت کی بنیاد پر پابند ہیں کہ اگر میں یہ فیصلہ کروں تو انہیں اس میں شریک ہونا ہوگا۔

اس کے کچھ عرصے بعد میں نے اس آفر میں کچھ مزید نرمی کی کہ اگر جماعت اسلامی پچیس برس یا بیس برس کے لئے ہی الیکشن سے مجتنب رہنے کا فیصلہ کرلے تو میں اپنی جماعت کو اس میں مدغم کردوں گا۔

اِس وقت میں ایک درجہ مزید نیچے اتر رہا ہوں اور اس طرح میں آخری بار اتمامِ حجت کر رہا ہوں۔ میری یہ تجویز پانچ حصوں پر مشتمل ہے :

(۱) جماعت اسلامی' تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی' یہ تینوں تنظیمیں ایک وفاق کی شکل اختیار کرلیں۔ اِس وقت میری یہ آفر اِدغام کی نہیں' وفاق کی ہے' کیونکہ ہمارا نظام بیعت کا ہے اور ان کا دستوری ہے۔

(۲) اس وفاق میں شامل تینوں تنظیمیں مشترکہ طور پر عوام کی بھرپور ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی تربیت میں سرگرم ہو جائیں اور اس کے لئے اپنی تمام تر افرادی قوت اور معاشی وسائل و ذرائع کو بروئے کار لائیں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے بڑے سے بڑے پیمانے پر لوگوں کے اذہان کو بدلنے کی کوشش کی جائے' تاکہ سیکولرزم' مغربی جمہوریت اور مغربی تہذیب کی مرعوبیت دماغوں سے نکلے اور اسلام کے معاشرتی' اقتصادی اور سیاسی نظام پر اعتماد پیدا ہو۔ لوگوں کو یہ بھی بتلایا جائے کہ موجودہ دور میں نظام خلافت کا نیا ڈھانچہ کیا ہوگا؟ یہ ہمارے کرنے کا ایک بہت بڑا' کوہ ہمالیہ جتنا بڑا کام ہے' جس کے لئے ہمیں اپنی قوتوں' صلاحیتوں اور وسائل و ذرائع کو مشترکہ طور پر بروئے کار لانا چاہئے اور اس ساری جدوجہد کے لئے مرکز و محور ہونے کی حیثیت قرآن حکیم کو حاصل ہونی چاہئے۔ اس میں اختلاف کی کوئی بات نہیں۔

(۳) انتخابات میں حصہ لینے کے ضمن میں ہم مولانا مودودی کے ۱۹۴۵ء کے موقف پر رجع ہو سکتے ہیں۔ یہ آخری اتمامِ حجت ہے جو میں جماعت اسلامی پر کر رہا ہوں۔ "رسائل

و مسائل" (جو ان کی اپنی شائع کردہ کتاب ہے) کی جلد اول صفحہ ۳۷۵ پر مندرج یہ عبارت ملاحظہ ہو' جو دراصل ایک سوال کے جواب میں دسمبر ۱۹۴۵ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوئی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں :

"الیکشن لڑنا اور اسمبلی میں جانا اگر اس غرض کے لئے ہو کہ ایک غیر اسلامی دستور کے تحت ایک لادینی (Secular) جمہوری (Democratic) ریاست کے نظام کو چلایا جائے تو یہ ہمارے عقیدۂ توحید اور ہمارے دین کے خلاف ہے۔ لیکن اگر کسی وقت ہم ملک کی رائے عام کو اس حد تک اپنے عقیدہ و مسلک سے متفق پائیں کہ ہمیں یہ توقع ہو کہ عظیم الشان اکثریت کی تائید سے ہم ملک کا دستور حکومت تبدیل کر سکیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس طریقہ سے کام نہ لیں۔ جو چیز لڑے بغیر سیدھے طریقہ سے سے حاصل ہو سکتی ہو اس کو خواہ مخواہ ٹیڑھی انگلیوں ہی سے نکالنے کا ہم کو شریعت نے حکم نہیں دیا ہے۔ مگر یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم یہ طریق کار صرف اس صورت میں اختیار کریں گے جبکہ :۔

اولاً' ملک میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہوں کہ محض رائے عام کا کسی نظام کے لئے ہموار ہو جانا ہی عملاً اس نظام کے قائم ہونے کے لئے کافی ہو سکتا ہو۔

ثانیاً' ہم اپنی دعوت و تبلیغ سے باشندگان ملک کی بہت بڑی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہوں اور غیر اسلامی نظام کے بجائے اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے ملک میں عام تقاضا پیدا ہو چکا ہو۔

ثالثاً' انتخابات غیر اسلامی دستور کے تحت نہ ہوں بلکہ بنائے انتخاب ہی یہ مسئلہ ہو کہ ملک کا آئندہ نظام کس دستور پر قائم کیا جائے۔"

یہ مولانا مودودی مرحوم کا دسمبر ۱۹۴۵ء یعنی قیام پاکستان سے پونے دو سال پہلے کا موقف ہے۔ اب اس کے ہوتے ہوئے انہوں نے ۱۹۵۱ء کے الیکشن میں کیسے حصہ لیا' یہ ایک علیحدہ بحث ہے' جس میں میں نہیں جانا چاہتا۔ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے' نسیان بھی ہو سکتا ہے' "الانسانُ مرکبٌ من الخطأ والنِّسیان"۔ اس پہلے ہی الیکشن کے بعد اندازہ ہو گیا تھا کہ ناکامی اس لئے ہوئی کہ مذکورہ بالا تین شرطیں پوری نہیں تھیں' ورنہ تو کامیابی ہوتی۔ لہٰذا جماعت کو اس سے رجوع کر لینا چاہئے تھا' لیکن افسوس یہ ہے کہ

پھر اس پر اصرار رہا اور ہر آنے والے الیکشن میں درجہ بدرجہ نیچے اترتے گئے۔ (اس موضوع پر "مولانا مودودی مرحوم اور انتخابات" کے عنوان سے ایک مضمون ستمبر ۹۵ء کے میثاق میں شائع کیا جا چکا ہے۔ تفصیل وہاں سے دیکھی جا سکتی ہے)

یہ تینوں جماعتیں جو وفاق بنائیں وہ کسی الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ اُس وقت کرے جب کہ مولانا مودودی مرحوم کی معیّن کردہ وہ تین شرطیں پوری ہو چکی ہوں۔ یہ شرطیں جماعت اسلامی پر بھی حجت ہیں اور تحریکِ اسلامی پر بھی' کیونکہ وہ اصلاً ہے ہی "تحریکِ فکرِ مودودی" اور ان شرائط کو میں بھی درست تسلیم کرتا ہوں۔ اب حل طلب مسئلہ صرف یہ رہ گیا کہ یہ assessment کون کرے گا کہ مطلوبہ فضا تیار ہو گئی یا نہیں؟ یہ اندازہ کس طرح ہو گا کہ حقیقت میں یہ شرائط پوری ہو گئیں یا نہیں؟ اس کے لئے میں یہ تجویز دے رہا ہوں کہ تینوں جماعتوں کی ایک مشترک مجلس مشاورت قائم کی جائے' جس میں پچاس فیصد نمائندگی جماعت اسلامی کی ہو' ۲۵ فیصد نمائندگی نعیم صدیقی صاحب کی تحریک اسلامی کو دے دی جائے جو اگرچہ ابھی ایک نوزائیدہ جماعت ہے اور صحیح معنوں میں جماعت کہلانے کی حقدار بھی نہیں ہے' لیکن میں نعیم صدیقی صاحب کو اپنا بزرگ مانتا ہوں۔ اور بقیہ صرف ۲۵ فیصد پر میں خود قناعت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ وہ تنظیم اسلامی کی ہو۔ اگر اس مجلس مشاورت کی دو تہائی اکثریت یہ فیصلہ کر دے کہ یہ شرائط پوری ہو گئی ہیں' بشرطیکہ اس میں ہر جماعت کی بھی کم از کم نصف تعداد شامل ہو' تو یہ وفاق الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کر دے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ نہ ہو کہ دو جماعتیں مل کر دو تہائی اکثریت ظاہر کر دیں اور تیسری جماعت "ایل بی ڈبلیو" ہو جائے۔

اس ضمن میں آخری بات یہ عرض کر رہا ہوں کہ یہ میری آخری آفر (offer) ہے اور یہ سابقہ ساری offers کی ناسخ ہے۔ چنانچہ قبل ازیں میں جماعت اسلامی کے ساتھ تنظیم اسلامی کے ادغام کی جو پیشکش کر چکا ہوں اسے اب منسوخ سمجھا جائے اور اگر میری یہ آخری پیشکش بھی قبول نہیں تو پھر معاملات جس طرح چل رہے ہیں اسی طرح چلیں گے' بلکہ بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے اور ظاہر ہے کہ اس میں کسی کی بھی خیر نہیں ہے۔

انفرادی دعوت

اہمیت، طریق کار اور مراحل

(الاخوان المسلمون کے مجلّہ الدعوۃ سے ماخوذ)

——— (دوسری قسط) ———

تیسرا مرحلہ

یہ مرحلہ مدعو کو اپنی حالت کی درستگی میں مکمل تعاون بہم پہنچانے کا ہے۔ مدعو اپنی حالت اس طرح درست کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرض عبادات کا علم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے اور اس کام مین نظم اور ترتیب کا پوری طرح لحاظ رکھے، معاصی و منکرات سے اقرار و اجتناب اور اسلامی اخلاق و عادات سے وابستگی پیدا کرے۔ اس مرحلے میں----

(۱) اس کی معلومات میں اضافہ کرنے کی غرض سے اسے عقائد و عبادات اور اخلاقیات کے موضوع پر کتابیں فراہم کی جائیں۔

(۲) وعظ اور درس کی مجالس میں شرکت کی دعوت دی جائے۔

(۳) دیندار اچھے اخلاق کے لوگوں سے اسے قریب رکھا جائے اور بروں کی صحبت سے حتی الامکان بچایا جائے۔

(۴) اسے ایک ایسا صحت مند اور صاف ستھرا ماحول فراہم کیا جائے جو اس کی اسلامی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں مدد دے۔

اس راہ میں صبر و ثبات اور جد و جہد کی ضرورت ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی کوششوں میں تسلسل برقرار رکھا جائے تاکہ نو وارد مدعو کے قدم اچھی طرح جم جائیں اور اس کے اندر جماؤ اور مضبوطی پیدا ہو جائے۔ داعی کو چاہئے کہ زیادہ دنوں تک ایسے شخص کو نگرانی کے بغیر نہ چھوڑے تاکہ وہ اپنی صحیح سمت میں اپنا سفر جاری رکھ سکے۔ اور سستی و

کو تاہی کے اسباب سے محفوظ رہے۔

اس کی اسلامی شخصیت میں ٹھہراؤ اور استقرار پیدا ہونے میں کئی ہفتے لگ سکتے ہیں۔ یہاں یہ ذکر مناسب ہو گا کہ اس مرحلے پر کام کرنے کی اور بھی بہت سی نو عیتیں ہیں لیکن پہلے مرحلے کی تکمیل کے بعد ان پر توجہ دینا چاہئے۔

چوتھا مرحلہ

یہ مرحلہ "عبادت" کے کُلّی' ہمہ گیر اور جامع مفہوم کی وضاحت کا ہے۔

عبادت کا مفہوم محض نماز' روزہ' حج و زکوٰۃ اور چند عبادتوں تک محدود نہیں ہے بلکہ عبادت کا مفہوم زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھایا ہوا ہے۔ اسی مفہوم کے ضمن میں زندگی کے تمام لوازمات اور معمولات داخل ہیں۔ کھانا پینا' شادی بیاہ' کھیل کود' بچوں کی دیکھ بھال' تعلیم' عام تعلقات وغیرہ سب کچھ عبادت کے حصے ہیں۔

ہاں زندگی کے تمام امور عبادت اسی وقت بن سکیں گے جب کہ دو شرطیں ان میں پائی جائیں :

(۱) اخلاصِ نیت

(۲) ہر عمل سے شریعت کی مطابقت

جو کام بھی کیا جائے' جو معمول برتا جائے اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ارادہ رکھا جائے اور یہ نیت کی جائے کہ ہماری تمام سرگرمیوں اور ہمارے تمام اقدامات اور ہر عمل کا مقصد یہ ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل میں تعاون اور مدد حاصل کی جائے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا ہے۔

چنانچہ اگر کھانے پینے کا مقصد یہ قرار دیا جائے کہ اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی قوت اور جسمانی صلاحیت اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر صَرف کریں گے تو یہ عمل عبادت بن جائے گا۔ ہماری تعلیم کا مقصد مسلمانوں اور اسلام کو فائدہ پہنچانا ہے تو اس سلسلے میں محنت' وقت' پیسہ جو کچھ ہم خرچ کریں گے سب عبادت ہی میں شمار ہو گا اور اس کا پورا اجر ملے گا۔ کسی فن میں مہارت حاصل کرنے کا مقصد اپنی ملت اور دین کے لئے مفید بننا ہے

تو یہ بھی عبادت ہے۔ رزقِ حلال حاصل کرنے کی غرض سے جدوجہد اور محنت بھی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ شادی بیاہ کا مقصد یہ ہو کہ ہم اپنے کو پاک دامن اور پاک نظر رکھیں گے اور اسلامی بنیادوں پر عائلی نظام قائم کریں گے' ایک ایسا خانگی ماحول بنائیں گے جو اسلامی تعلیمات کی ایک درسگاہ اور بچوں کی تربیت گاہ ہوتی ہے اور اس مسلم گھرانے کو اسلامی حکومت کے قیام میں ایک مضبوط ستون اور قوی بنیاد کے بطور استعمال کریں گے تو یہ شادی بھی ایک شکلِ عبادت بن جائے گی۔ اس رشتہ کا مقصد یہ ہو کہ بچوں کی تربیت اور اسلامی تعلیم کی روشنی میں ان کی داشت و پرداخت کریں گے اور اولاد کو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے قابل بنائیں گے' جو باطل کے خلاف لڑیں گے اور حق کے لئے مریں گے تو اس کا اجر وہی ہے جو عبادت کا ہے۔ جسمانی صحت کا لحاظ اس غرض سے کیا جائے کہ دین کا دفاع اور اپنے دین کے تئیں ساری ذمہ داریاں پوری کریں گے تو پرورش بھی عبادت ہوگی اور اس طرح یہ وسیع و عریض دنیا ایک ایسی محرابِ مسجد میں تبدیل ہو جائے گی جس میں ہم اپنے ہر عمل کو عبادت بنالیں گے۔

یہ تو نیت کی بات رہی' ایسے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارا ہر عمل شریعت کے عین مطابق ہو اور شرعی قوانین سے کوئی اختلاف ہمارے عمل میں نہ ہو' ورنہ وہ عمل عبادت نہیں بن سکتا۔ چنانچہ ہمارا کھانا پینا' سونا' اوڑھنا' پہننا اسی وقت عبادت بننے کا مستحق ہوگا جبکہ ہمارا مال حلال ہو۔ وہ کپڑا جائز طریقوں سے حاصل کیا ہوا ہو جسے ہم پہنیں' وہ جسمانی صحت و طاقت جسے ہم اللہ کے راستے میں صرف کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ حرام مال کھاکر آسودہ نہ ہو' کیونکہ ---- حرام کھاکر ہم اللہ کی عبادت و اطاعت کے لئے قوت حاصل کرنے کا تصور کر ہی نہیں سکتے۔

اس طرح ایک مسلمان فرد اپنے ہر عمل اور اپنی زندگی کی جملہ حرکات و سکنات میں اسلامی شریعت کے ساتھ گھل مل جائے گا اور عبادت کا مفہوم ارکانِ اربعہ اور چند مخصوص عادتوں تک کی ---- محدودیت سے نکل کر وسیع ہو جائے گا اور پوری زندگی پر پھیل جائے گا۔

پانچواں مرحلہ

اس مرحلے میں مدعو پر واضح کیا جائے کہ اس کی ذمہ داریوں کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ اسلام کا صحیح اور سچا پیرو اسی وقت ہو سکے گا جب وہ ان تمام ذمہ داریوں سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہو جائے۔ چند عبادتوں کو اپنا لینے یا اسلام کی محض اخلاقی تعلیم پر عمل کرنے سے اس کی ذمہ داریاں مکمل نہیں ہو جاتیں بلکہ اس کو اپنی زندگی کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر مرحلہ پر اسلامی تعلیمات نافذ کرنی ہوں گی اور ہر محاذ پر اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کی مکمل ادائیگی کرنی ہوگی۔

واضح ہے کہ انفرادی طور پر عمل کرنے سے فرد کی ڈیوٹی مکمل نہیں ہوتی۔ اسے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام ایک اجتماعی اور ہمہ گیر دین ہے جو اپنے اندر زندگی گزارنے کے سارے دستور رکھتا ہے۔ اسلام حکومت کے قیام اور ایک امت کے تصور کے فروغ کو بھی حاوی اور محیط ہے۔

اسلام کا یہ صحیح فہم و تصور ہمارے اوپر کئی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے اور ان تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی ضروری ہے تاکہ سماج اور سوسائٹی اسلامی اصول و عقائد کی بنیاد پر قائم ہو سکے اور اس سوسائٹی کو سیاسی' اقتصادی اور اجتماعی میدانوں میں اسلامی ڈھانچے میں ڈھالا جا سکے۔

منجملہ ذمہ داریوں میں ہماری ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ دین کے غلبہ اور اس کی اقامت کے لئے اس وقت تک کوشش کرتے رہیں جب تک کہ وہ آخری منزل اور وہ آخری مقصد حاصل نہ ہو جائے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے :

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ
(انفال : ۳۹)

"اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک (زمین) سے فتنہ مٹ نہ جائے اور دین سارا خدا کے لئے رہ جائے"۔

اس کے ساتھ ساتھ اس دین کی تبلیغ و اشاعت بھی ہمارا فریضہ ہے تاکہ خدا کا وہ پیغام جو پوری انسانیت کے نام ہے ہر انسان تک پہنچ سکے جو ہمارے مقدور اور ہماری دسترس میں

ہو۔

کوئی بھی مسلمان فرد اپنی ملت کے دوسرے افراد سے علیحدہ رہ کر صحیح اسلامی زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ وہ دنیا کے مختلف گوشوں میں اپنی ملت کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں' آزمائشوں اور اس کو پیش آنے والے واقعات و حوادث سے بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ ایک سچے اور کامل مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی شخصیت اور انفرادی حیثیت کے تحفظ کے ساتھ ملی و قومی اجتماعیت اور اس کے مصالح اور مفاد کا خیال رکھے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو نتیجہ میں اسلام کا اجتماعی تصور معدوم ہو جائے گا اور دین کی تکمیل نہیں ہو سکے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

من لم یھتم بامر المسلمین فلیس منھم

"جو مسلمانوں کے مسائل و حالات سے تعلق نہ رکھے اور اس طرف سے بے پروا ہو وہ ہم میں سے نہیں (یعنی اس کا شمار مسلمانوں میں نہیں ہو گا۔)"

دین میں اجتماعیت کے تصور اور مفہوم و موضوع پر مدعو سے گفتگو ہوتی رہنی چاہئے۔ تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے اور ان کی ادائیگی کی فکر اس کے اندر پیدا ہو اور پھر وہ اپنی انفرادیت اور عزلت سے نکل کر اجتماعی کام کے میدان میں آئے۔ ایسے ہی اس بات کی وضاحت کی جانی چاہیے کہ اسلامی حکومت کے قیام اور دشمنوں کے ہاتھوں پامال کی جانے والی اسلامی خلافت کے اعادہ و باز آوری کے سلسلے میں ہمارے اوپر کون سی ذمہ داریاں ہیں؟ اور موجودہ حالات میں اس عظیم ذمہ داری کی اہمیت میں مزید کیا اضافہ ہوا ہے؟

یہ یاد کرانا بھی ضروری ہے کہ عالم اسلام آج جس سیاسی انتشار و عدم استحکام' فکری اضطراب و بے چینی کا شکار ہے اور آج وہ جس طرح دشمنوں کے حملوں کی زد میں ہے' دنیا میں مسلمانوں کو محض ان کے عقیدے سے اور ایمان کی وجہ سے جن مصائب و آلام کا سامنا ہے وہ سب کچھ اسلامی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مساجد کی تخریب کاری اور مسلمانوں کے جان و مال اور ناموس کو لاحق خطرہ' اپنے وطن کی زمینوں سے ان کی جبری بے دخلی اور زمینوں پر غاصبانہ قبضے کی ظالمانہ کاروائیاں محض اس لئے ہو رہی ہیں کہ عالم

اسلام ایک ایسی سیاسی طاقت اور قیادت سے محروم ہے جو ان حالات میں ان کی مدد کرتی اور ظالم و سرکش کو اس کے تجاوز سے باز رکھتی۔ مسلمانوں کی نئی نسل کو غیر اسلامی تصورات پر پروان چڑھایا جا رہا ہے' انہیں غلط و غیر اسلامی نظریات کا پابند بنایا جا رہا ہے' اس لئے کہ آج عالم اسلام مضبوط مادی وسائل اور بکھری ہوئی افرادی صلاحیت و قوت کا مالک ہونے کے باوجود ایسی اسلامی حکومت سے محروم ہے جو مسلمانوں کی صف بندی کر سکے اور شریعت الٰہی کی تنفیذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

یہ غلط فہمی دور کر لینی چاہئے کہ اسلامی حکومت کے قیام کی ذمہ داری محض حکام اور علماء پر ہے اور ملت کے عام افراد کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے---- بلکہ دعوت کے اس موجودہ مرحلہ میں' جس میں اِس وقت ہم ہیں' ہر مسلمان مرد و عورت پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اگر یہ فریضہ پورے اہتمام اور توجہ سے انجام نہیں دیا گیا تو سارے مسلمان گنہگار ہوں گے۔ جب حکومت کے قیام پر مسلمانوں کے تشخص کی بقا کا انحصار ہے تو پھر ملت کا کوئی فرد اس فرض سے کس طرح الگ ہو سکتا ہے' جبکہ کسی ملت کا تشخص اور وجود معنوی اعتبار سے دونوں ایک چیز ہیں۔ کوئی قوم اپنے تشخص اور امتیازات کے بغیر کب تک زندہ رہ سکتی ہے؟ اس ذمہ داری کا شعور و احساس پیدا کرنے کے سلسلے میں مدعو سے گفتگو جاری رہنی چاہئے۔

چھٹا مرحلہ

اس مرحلے میں مدعو کو یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ حکومتِ اسلامی کے قیام کا فریضہ انفرادی طور پر کام کر کے انجام نہیں دیا جا سکتا۔ ہر فرد تنہا کام کر کے قیام حکومت اور خلافتِ اسلامی کی بازیابی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ قطعی ناممکن اور نامعقول تصور ہو گا۔ اس کام میں اجتماعیت کی ضرورت ہے اور رہے گی۔ ایک ایسی منظم اجتماعیت کی ضرورت ہے جو تمام انفرادی صلاحیتوں اور کوششوں کو متحد اور مجتمع کرے اور اس مقصد میں ان کوششوں سے بھرپور تعاون اور مدد حاصل کرے۔

شریعت کا ایک معروف اصول ہے کہ جو چیز کسی واجب کی ادائیگی کے لئے ضروری ہو

وہ خود بھی وجوب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس اصول کی بنا پر جماعت کی تشکیل واجب اور ضروری ہوگی کیونکہ اس کی تشکیل اور تنظیم کے بغیر قیام حکومت کا فریضہ ادا کیا ہی نہیں جا سکتا۔

کوئی شخص اسلام کے اصول و فرائض کی تنفیذ کے لئے (جن میں موجودہ صورت حال میں سب سے اہم اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مسلسل کوشش اور مشترکہ جدوجہد ہے) جماعت کے ساتھ مل کر کام کئے بغیر خود کو اسلام کا مکمل پیرو اور مطیع تصور نہیں کر سکتا۔

یہ اقدام بہت بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور کام کرنے کے سلسلے میں جماعت کی تشکیل کا تصور کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ آج اس کی اہمیت زیادہ اس لئے ہے کہ بہت سارے مسلمان جماعت کی تشکیل یا اس میں انضمام کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ اس خیال اور طرز فکر کے کئی محرکات ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے وہ ان ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے ہوں جو اس سلسلے میں ان پر عائد ہوتی ہیں یا ان تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنے سے گریز کرنا چاہتے ہوں جو کسی جماعت سے وابستگی میں عموماً پیش آتی ہیں۔ بہرحال مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کے اس غلط طرز فکر اور نامناسب رویئے کی بنا پر اجتماعیت کا یہ تصور بہت اہمیت رکھتا ہے۔

جن لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے ان کے سامنے جماعت کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت جتنی زیادہ ہوگی وہ اس ضرورت کا احساس اتنا ہی زیادہ کریں گے اور اس کی ضرورت سے مطمئن ہوں گے۔ خاص طور سے جماعت کی ضرورت اور اس کے اخروی اجر کی بابت معلومات حاصل کر کے انہیں مزید اطمینان حاصل ہوگا۔

ساتواں مرحلہ

جماعت کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت کے بعد یہ مرحلہ آتا ہے کہ آخر فرد کس جماعت کے ساتھ کام کرے یا کام کرنے کا میدان جو اس کے سامنے ہے اور جو مقصد اس کے پیش نظر ہے اس کی تکمیل کے لئے وہ کس جماعت میں شامل ہو؟

یہ مرحلہ بہت نازک اور اہم ہے' یہاں قوت فیصلہ کی ضرورت ہے۔ اور فرد کو کام

کرنے کے لئے جماعت کے انتخاب میں مدد دینے کے لئے تدبیر اور قوت بیان کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اس وقت میدان میں بہت ساری جماعتیں متحرک نظر آتی ہیں اور ہر ایک جماعت نوجوانوں کو اپنی طرف بلا رہی ہے اور سب اسلام کا لیبل لگائے ہوئے ہیں' سب کے پاس نوجوانوں کو کھینچنے اور ان کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے وسائل بھی ہیں اور انہیں مطمئن کرنے کے لئے نعرے اور منشور بھی ہیں۔

چونکہ اسلام کا کام کرنے کا مرحلہ ایک فیصلہ کن اور بنیادی مسئلہ ہے' اس لئے نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ کام کرنے کے لئے بہترین میدان کا انتخاب کریں اور جس راہ کو اپنائیں اس کی حقانیت اور صحت کے بارے میں مکمل اطمینان حاصل کرلیں۔ اور اس سلسلے میں کسی قسم کی عجلت یا جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اس لئے کہ کام کرنے کے لئے ایک ہی عمر ملتی ہے اور ایک ہی جان ہے۔ اور اسے کم از کم انہیں داؤ پر نہیں لگانا چاہئے۔ مشورہ طلبی' اور اطمینان حاصل کرنے میں محنت اور وقت صرف کرنا اس سے بہتر ہے کہ عجلت میں کوئی غلط اور نامناسب اقدام کرلیا جائے اور صحیح راستے کا انتخاب نہ کیا جائے اور دل کے اطمینان کے بغیر کوئی بے سوچی سمجھی راہ چل دیا جائے۔

یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ اسلام کے مقاصد کی تکمیل اور قیام حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہی طریقہ اپنایا جائے جو رسول اللہ ﷺ نے پہلی اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے اپنایا تھا اور اسی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے جو حضور ﷺ کے کام میں موجود تھی۔

وہ ترتیب اس طرح ہے :

(۱) دلوں میں عقیدے اور ایمان کی جڑوں کو جمانا۔

(۲) قرآنی تعلیمات کی روشنی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت و ذہن سازی۔

(۳) عقیدے کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کی مکمل تیاری' اور عقیدے ہی کو زندگی کا نصب العین قرار دینا۔

(۴) اس کے دفاع کے لئے تنظیم اور جماعت سازی۔

انہی خطوط پر رسول اللہ ﷺ نے کام کیا تھا۔ سب سے پہلے آپؐ نے صحابہؓ کے

دلوں میں عقیدے کی بنیاد مضبوط کی' پھر دار ارقم میں قرآن کی تعلیمات اور زبانی ہدایات کے مطابق ان کی تربیت کی۔ چنانچہ نبوی مدرسے سے ایسے لوگ نکلے جن کے وجود پر عقیدے کی حکمرانی تھی اور ان کے عقل و وجدان سب اس عقیدے کے تابع تھے۔ یہی ان کی زندگی کا نصب العین تھا اور اس کی ترویج و تبلیغ ان کی زندگی کا مشن بن گیا تھا۔ اپنی ساری ذہنی صلاحیتیں اور جسمانی قوتیں وہ اسی کے دفاع اور اسی کے فروغ میں وقف کر چکے تھے۔ وہ سب کچھ گوارا کرتے' لیکن عقیدے اور ایمان سے الگ ہونا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ پہلی اسلامی حکومت کے لئے یہی لوگ مضبوط بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے اور انہی کے ہاتھوں دین کا غلبہ اور اقتدار پہلی بار اس زمین پر قائم ہوا۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے عقیدے کی قوت و طاقت' باہمی اتحاد و یگانگت اور پھر اسلحہ اور بازو کا زور پیدا کیا تھا۔ جب ایک مضبوط' ٹھوس' متحد اور ایمان کی طاقت رکھنے والی جماعت پیدا ہو گئی جو اللہ کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے اور باطل کا منہ توڑ جواب دینے اور طاقت کے بل پر ان کی سرکشی روک دینے کی صلاحیت رکھتی تھی تو انہیں ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور باطل کا رخ ہمیشہ کے لئے پھیر دینے کی اجازت دی گئی۔

اذن للذین یقتلون بانهم ظلموا' وان الله علی نصرهم لقدیر (حج : ۳۹)

"اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں' اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے"۔

اس سے پہلے جب مسلمان کمزور اور کم تعداد میں تھے تو رسول اللہ ﷺ انہیں تکلیفوں پر صبر کرنے اور تبلیغ و دعوت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے حق پر قائم و ثابت رہنے کی تلقین کرتے رہے اور ان سے باطل کا مقابلہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا۔

جماعت کے انتخاب میں اس بات کو اچھی طرح پیش نظر رکھنا ہو گا۔ اور اسی جماعت میں شمولیت اختیار کی جانی چاہئے جو رسول اللہ ﷺ کے راستوں پر چل رہی ہو اور وہی حکمت عملی اور کام کرنے کا وہی ڈھنگ اور وہی ترتیب قائم رکھتی ہو جو رسول اللہ ﷺ کے کام میں تھی۔ ہر وہ جماعت جو طاقت کے استعمال اور اتحاد باہمی پر تربیت اور

افراد سازی کو اولیت نہ دیتی ہو اور کام شروع کر دیتی ہو تو گویا وہ اپنے کام کا جوا کھیل رہی ہے اور ممکن ہے اس کی کوششیں اسلام کے حق میں بار آور ہونے کے بجائے اسلامی مشن اور کاز کو نقصان پہنچا دیں۔

تربیت و اتحاد کے بغیر اور جماعت کی تشکیل و تنظیم سے پہلے محض سیاسی جماعتوں کے طریق کار کو اپنا کر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش خطرہ مول لینے کے مترادف ہے بلکہ اسلامی کام کو مضبوط بنیادوں پر فطری طور سے آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرنے سے پہلے اس کو ختم کر دینے کے مترادف ہے۔ اس طرح کی کوششوں کو ثبات اور ٹھہراؤ اور ایسی کوشش کرنے والی جماعتوں کو بھی استحکام اور ثبات نہیں ہو سکتا۔

ایک ایسی مستحکم اور مضبوط جماعت کا رہنا ضروری ہے جو اسلامی حکومت سے ہم آہنگ ہو اور وقت پڑنے پر اس کا دفاع کر سکے' اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب و طریق کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دے۔

جس طرح عمارت ہمیشہ مضبوط بنیاد سے اٹھائی جاتی ہے' چوٹی سے نہیں تعمیر کی جاتی ہے اور عمارت جتنی بلند اور بھاری بھرکم ہو اسے اتنی ہی گہری اور مضبوط بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے' اسی طرح حکومت کا قیام مضبوط جماعت کے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ یہی حکومت کی پہلی بنیاد ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کے لئے جماعت کی تشکیل و ترتیب مضبوط بنیادوں پر کی جانی چاہئے کیونکہ ہماری مقصود عمارت عالمی اسلامی حکومت ہے' ہمارا پیغام آفاقی اور ہمہ گیر ہے' ہمارے دشمن بھی عالمی پیمانے کے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ واضح رہنا چاہئے کہ دعوتوں اور قوموں کی زندگی کی پیمائش اور مدت عمر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ وہ دعوت یا وہ قوم کب تک زندہ رہی' اور اس کا پیغام کب تک دنیا میں زندہ رہا' افراد و اشخاص کی عمروں سے اس کا اندازہ نہیں کیا جاتا۔ اس لئے اجتماعیت کے بغیر محض انفرادیت کے بل پر اس پیغام کو زندہ نہیں رکھا جا سکتا اور اس کے استحکام و بقا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جس جماعت کا انتخاب کیا جائے اس کے بارے میں یہ اطمینان حاصل کر لیا جائے کہ وہ رسول ﷺ کے راستے سے کس قدر قریب تر ہے۔

حسن البناء شہیدؒ نے اپنی دعوت کا کام اور اس کا طریق کار رسول اللہ ﷺ کے سیرت پاک سے اخذ کئے تھے۔ انہوں نے صاحب عقیدہ و ایمان فرد' مسلم گھرانہ اور مسلم سوسائٹی کو ایک مضبوط بنیاد کے بطور تیار کرنے پر زور دیا ہے جس پر اسلامی خلافت قائم ہوگی۔

یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ جس جماعت کو اپنی سرگرمی اور کام کرنے کا ذریعہ بنایا جائے اس کے بارے میں مندرجہ ذیل صفات کا اطمینان کرلیا جائے۔

(۱) وہ اسلام کے سارے پہلوؤں پر عمل کر رہی ہو' جن میں عقیدہ و عبادات' اخلاقی اصول' قانون معاشرت' حکومت کا ادارتی نظام اور جہاد فی سبیل اللہ سب شامل ہیں۔ وہ محض سہولت پسندی یا کسی دوسری وجہ سے اسلام کے بعض پہلوؤں کو اختیار اور دوسرے کو نظرانداز نہ کر رہی ہو۔

(۲) یہ بھی دیکھا جائے وہ عالمی پیمانے پر وسعت اور پھیلاؤ رکھتی ہو تاکہ عالمی اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مضبوط و مستحکم اور وسیع بنیاد فراہم کی جاسکے۔ وہ جماعت کسی خاص ملک میں محض علاقائی حکومت کے لئے کوشاں نہ ہو اور اس کا مقصد محدود نہ ہونا چاہئے۔

(۳) مطلوبہ جماعت کے تجربہ کو بھی دیکھا جائے' اس کے پاس جتنا زیادہ تجربہ ہوگا وہ محنت اور وقت کے صحیح اور بہتر استعمال' رفتار' نتیجہ خیزی اور مقاصد کے حصول میں اسی قدر اطمینان و اعتماد کا باعث ہوگا۔ نیز وہ جماعت اپنی فکری و عملی سرگرمیوں میں رسول اللہ ﷺ اور سلف صالحین کے کام کرنے کے طریقوں کے مطابق افراط و تفریط اور انحراف و بے راہ روی سے دور اور محفوظ ہو۔

(۴) جماعت کے پاس پلاننگ اور منصوبہ بندی ہو۔ اس کے اندر اتحاد و تنظیم قائم ہو' وہ بکھراؤ اور انتشار کا شکار نہ ہو۔

اب جماعت میں شمولیت کے بعد مدعو کو اختلاف کی سنگینی کا احساس دلایا جائے کہ علیحدگی پسندی اور چھوٹے چھوٹے گروہوں میں کارکردگی کی صلاحیت تقسیم ہوجانے سے کیا نقصان پہنچتا ہے؟ اسے یہ باور کرایا جائے کہ اسلام کا صحیح کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ

اپنی آواز جماعت میں ضم کردی جائے اور اپنی صلاحیت و قوت کو جماعت میں شامل کرلیا جائے اور ایسی جماعت منتخب کرلی جائے جس میں مذکورہ صفات بیک وقت موجود ہوں۔ یہ بھی بتایا جائے کہ محض نیا جھنڈا بلند کرنے اور تجربہ کے طور پر کسی نوزائیدہ جماعت کے پیچھے چلنے کا کوئی جواز نہیں ہے ورنہ یہ اقدام بکھراؤ اور انتشار کا سبب بن جائے گا۔

کسی بڑی تجربہ کار جماعت سے علیحدگی کا جواز اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کی اکثریت دین کی صریحی خلاف ورزی اور انحراف میں مبتلا ہو جائے۔

☆ ☆ ☆

شخصی دعوت سے متعلق چند مخصوص ہدایات

- دعوت کے کام میں استمرار و تسلسل اور سنجیدگی ہونی چاہئے۔ نیز وقفہ وقفہ سے کام کی نگرانی اور جانچ ہونی چاہئے تاکہ کارکردگی میں بہتری اور کوششوں کی نتیجہ خیزی اور کام کے رفتار کے متعلق اطمینان حاصل کیا جاسکے۔ اور خامیوں کو دور کیا جاسکے۔
- جو حضرات انفرادی و شخصی دعوت کا کام انجام دے رہے ہیں انہیں دعوت کے اسالیب و معنی اور اس کے مفاہیم اور ان میں تسلسل و ترتیب کے بارے میں رہنمائی فراہم کی جائے۔
- جن لوگوں پر دعوت کا کام کیا جارہا ہے ان سے ملاقات کرکے بھی رضاکاروں کو ان کے کام میں مدد دی جاسکتی ہے۔ ان ملاقاتوں میں دعوت کے معانی کی تشریح و توضیح ہونی چاہئے۔
- دعوت کے مذکورہ ساتوں مراحل ترتیب کے لحاظ سے دعوتی کام کرنے والے کے ذہن میں محفوظ ہونے چاہئیں۔ اس نظم و ترتیب کی خلاف ورزی مدعو کی طرف سے دعوت کو رد کردینے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس ترتیب کو قائم کرنے میں اس بات کا بہت خیال رکھا گیا ہے کہ ہر اگلا مرحلہ اپنے سے پہلے والے مرحلہ کی اہمیت اور اس پر مکمل اطمینان پر موقوف ہے۔ مثال کے بطور کسی فرد کو جماعت کی ضرورت کا تصور

دینے والی عمومی ذمہ داریوں کے بارے میں مطمئن کرنے سے پہلے اگر جماعت میں شمولیت اور انضمام کی دعوت دی جائے تو وہ اسے کبھی قبول نہیں کرے گا۔

- دعوت کے ہر مرحلہ میں مکمل اطمینان اور پختگی کے بغیر مدعو کو بالکل آخری مرحلہ تک پہنچانے کی خواہش کو جلد بازی اور عجلت پسندی کا سبب نہ بننا چاہئے تاکہ شکوک اور شبہات اور پس و پیش کی صورت حال کا سامنا کرتے وقت مدعو کی بے یقینی اور تذبذب کا سدباب کیا جاسکے۔
- مستقبل میں دعوتی کام کی ذمہ داریاں سنبھالنے والوں کی ذمہ داریوں کو آسان بنانے کی غرض سے ان کے ساتھ ان مذکورہ مراحل پر تفصیل کے ساتھ بحث و مباحثہ کیا جائے۔ ان اسباب و عوامل پر بھی گفتگو ہونی چاہئے جو ان مراحل کی ضرورت پر اطمینان و انشراح دلانے میں معاون ہو سکتے ہوں۔
- دعوت کے صحیح اور محفوظ طریقے کو اس کے جملہ تقاضوں کے ساتھ انتخاب کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی کام اور کام کے متعلق پھیلائے گئے شبہات کا ازالہ بھی ضروری ہے تاکہ ان شکوک و شبہات کے اثرات ذہن میں باقی نہ رہ سکیں۔
- اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کرنے والے کے لئے اس اجر و ثواب اور اخروی فلاح کا تذکرہ کیا جائے جو اسے حاصل ہوں گے اور ایسے ہی قبول نہ کرنے والوں کو آنے والے اس بڑے خطرہ سے آگاہ کیا جائے جو انکار کے نتیجہ میں پیش آنے والا ہے۔ اس لئے ترغیب و ترہیب کا اسلوب مدعو کے سامنے پیش کی جانے والی دعوت کے سلسلے میں رد و قبول کا موقف اپنانے میں بہت معاون ہوتا ہے۔
- دعوتی کام کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ باہمی تعاون سے کام میں اور اس راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کے ازالہ میں باہم مشورہ کریں اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔
- دعوت کے مراحل میں کتابوں' رسائل اور پرچوں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے جو مدعوئین کو دیئے جائیں اور ان سے فرمائش کی جائے کہ جو باتیں مبہم ہوں وہ دریافت کریں تاکہ ان کی تشریح کی جائے۔

- مدعو حضرات میں سے جن حضرات کے اندر دوسرے بھائیوں کو دعوت دینے کی صلاحیت واہلیت پیدا ہو جائے ان سے دعوتی کام لیا جائے اور انہیں تبلیغ کے سلسلے میں مناسب ہدایات دی جائیں' راستے اور طریقے بتائے جائیں اور یہ کام مسلسل ہونا چاہئے۔
- کام میں اخلاص' استمرار' کشادہ دلی اور ثبات کے بقدر ہی برکت' توفیق اور نتیجہ خیزی بھی ہوگی۔ (ان شاء اللہ)
- شخصی دعوت ہر طرح کے حالات میں ہو سکتی ہے' برخلاف عمومی اور اجتماعی دعوت کے جس کو بسا اوقات تنگی اور ناسازی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔
- شخصی دعوت اس حیثیت سے بھی ممتاز ہے کہ اس میں ان لوگوں سے جن کو دعوت دی جارہی ہے تعلق اور رابطہ ہوتا ہے جب کہ عمومی اور اجتماعی دعوت میں' جو محاضرات اور اسباق کی شکل میں ہوتی ہے' براہ راست رابطہ نہیں ہوتا۔
- یہ دعوت داعی کو دعوتی تجربات سے بھی گزارتی ہے جو بہت ضروری ہے۔
- یہ دعوت کام کرنے والے کو بہتر کارکردگی میں ممد و معاون چیزوں کے حصول پر آمادہ کرتی ہے۔
- داعی کو دوسرے کے لئے نمونہ اور مثال بننے پر ابھارتی ہے۔
- اس میں مدعو کو پورا پورا موقع ملتا ہے کہ جو کچھ خیال اسے آئے اس کے بارے میں استفسار کرے اور جو شبہ پیدا ہو اس کا ازالہ کرلے تاکہ اس کی شخصیت کی تعمیر صاف ستھری اور بے داغ ہو۔
- معمولی عملی جائزہ ہی سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ شخصی دعوت کی نتیجہ خیزی تھوڑے وقت میں دوچند ہو سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆

داعی کی ضروری صفات

- سب سے پہلی چیز اخلاص نیت ہے۔ اس لئے کہ نیت میں خلوص کے بغیر اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔
- داعی جس عظیم کام کو انجام دے رہا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ کرے تاکہ اس کام کے شایان شان توجہ دی جاسکے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اجر و ثواب کا طالب ہو۔
- دعوت میں حکمت' اسلوب میں حسن انتخاب' اچھے اور سلجھے انداز میں بحث و مباحثہ کی خصوصیات سے متصف ہو۔
- نرم خو اور با اخلاق ہو' صابر اور بردبار ہو۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے مخلص متبعین کی راہ پر چلتے ہوئے اور ان کو اسوہ بناتے ہوئے دعوتی کام کے دوران جو تکلیفیں پہنچیں ان کا اجر اللہ تعالیٰ سے طلب کرے۔
- جس سوسائٹی میں دعوت کا کام کر رہا ہے اس کے بارے میں تجربہ رکھتا ہو نیز اس سماج کے مسائل اور اس کے رجحانات کا اسے علم بھی ہو اور جن کو دعوت دے رہا ہے ان سے بڑی حد تک واقف اور متعارف بھی ہو۔
- علم حاصل کرنا اور تدبر کرنا بھی ضروری ہے تاکہ دعوت زیادہ مفید اور کار آمد بن سکے۔
- سیرت نبوی اور اسلامی تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کرے تاکہ اپنے لئے توشہ حاصل کر سکے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو حل کرنے میں تعاون بھی ملے۔ ایسے ہی اسے مسلمانوں کے بعض رویوں اور مواقف کا مطالعہ و تجزیہ بھی کرنا چاہئے۔
- قرآن کا جتنا حصہ یاد کر سکتا ہو یاد کرے' تاکہ دعوتی کام میں آیات قرآنی سے استفادہ کر سکے۔ اس لئے کہ قرآن کا دعوتی اسلوب انسانی دلوں کے لئے بہت موثر ہے۔
- اپنی گفتگو میں عقل اور وجدان دونوں کو مخاطب کرے۔ اس لئے کہ جذبہ اور وجدان کی آمادگی انسانی ذہن کو ان باتوں کو قبول کرنے اور تاثر حاصل کرنے کے لئے تیار کرتی ہے جو عقل کو متوجہ کرتی ہیں۔

تبخیر معدہ

تبخیر معدہ سے بلڈ پریشر ہوتا ہے اور بلڈ پریشر سے ہارٹ اٹیک کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر آپ تبخیر معدہ کے مریض ہیں' ایلوپیتھک' ہومیوپیتھک اور طب یونانی ہر طرح کا علاج کروا چکے ہیں لیکن صحت یاب نہیں ہوئے تو آج ہی طب نبویؐ کے ذریعہ علاج کرائیے۔ گیسٹرک ٹربل کے ماہر پروفیسر عبداللہ شاہین سے ملئے یا خط لکھئے :

طب نبویؐ کلینک

نزد گورنمنٹ مسلم ہائی سکول' حافظ آباد

پوسٹ کوڈ 52110 - فون : 0438-520554

اوقات ملاقات : شام 5 بجے سے رات 9 بجے تک

ضرورت رشتہ

گریڈ ۱۹ کے ایک سرکاری ملازم کو اپنی تین عزیزہ لڑکیوں کے لئے موزوں رشتے درکار ہیں۔ لڑکیوں کی عمر بتدریج ۲۰ سال' ۱۹ سال اور ۱۸ سال ہے۔ اور تعلیمی قابلیت بالترتیب ایم۔اے انگریزی (فائنل ایئر)' ایف۔ایس۔سی (پری میڈیکل) اور انٹرمیڈیٹ ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔ مسلح افواج کے افسران یا سرکاری ملازمین کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ کے لئے : ع۔ش' معرفت سردار اعوان

قرآن اکیڈمی' K-36 ماڈل ٹاؤن' لاہور

ضلع جھنگ سے تعلق رکھنے والے ۲۶ سالہ باشرع' قاری قرآن' عالم دین جو ایم اے اسلامیات بھی ہیں اور اسلامیات میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ سرکاری ملازم ماہانہ آمدنی -/6000 روپے کے لئے دینی مزاج کی حامل' تعلیم یافتہ' شرعی پردے کی پابند' نیک صورت اور نیک سیرت رشتہ درکار ہے۔

پتہ برائے رابطہ : قاری محمد شفیق خان' 328-ڈی بلاک' فیصل ٹاؤن' لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تنظیمِ اسلامی کے داعی اور مؤسّس کے بعد کیا؟ اور کون؟

از قلم : ڈاکٹر اسرار احمد

میں اِس وقت حیاتِ دنیوی کے شمسی حساب سے ۶۳ اور قمری حساب سے ۶۵ برس مکمل کر چکا ہوں۔ اور تنظیم اسلامی کے قیام کو بھی بحمد اللہ بیس اکیس برس کا عرصہ ہو گیا ہے جس کے داعی، مؤسّس، اور تاحینِ حیات امیر رہنے کی سعادت مجھے بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوئی۔ فلہ الحمد والمنۃ!!

اب سے لگ بھگ چھ سال قبل، جب میں اپنی تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" کا مقدمہ تحریر کر رہا تھا تو اس میں میرے یہ احساسات بھی ذہن و قلب سے صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو گئے تھے :

"اور اب جبکہ راقم کی عمر شمسی حساب سے اٹھاون، اور قمری تقویم سے ساٹھ برس ہوا چاہتی ہے،---اور راقم کی قلبی کیفیت فی الواقع وہی ہے جو انشاء اللہ خاں انشاؔ کے اس شعر میں بیان ہوئی کہ ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!

اور میں واقعتاً اپنے آپ کو الفاظ قرآنی : "وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ ○" (الواقعہ : ۸۵) کے مصداق عالمِ آخرت سے

قریب تر اور عالمِ دنیا سے ذہناً اور قلباً بعید اور منقطع محسوس کرتا ہوں۔"

یہ کتاب اصلاً میری زندگی کے مشن کے اولین اور ابتدائی مرحلے کی' اپنی بساط کے مطابق "تکمیل" اور اس اعتبار سے گویا "خاتمۂ باب" کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس کی اشاعت کے معاً بعد میرے ذہن پر سارا تسلّط اپنے مشن کے تکمیلی مرحلے یعنی اقامتِ دین اور اس کے لئے قائم شدہ تنظیم اسلامی کے "مستقبل" کے بارے میں غور و فکر کا ہو گیا۔ اور میں نے --- "میرے بعد کیا؟ اور کون؟" --- کے مسئلے پر شدّت کے ساتھ غور و فکر شروع کر دیا۔

اس سلسلے میں اپنی ذاتی سوچ کو "اجتماعی" بنانے کے لئے میں نے اولاً ۲/ تا ۴/ اپریل ۹۵ء تنظیم کے تمام "ملتزم رفقاء" کا مشاورتی اجتماع منعقد کیا جس میں تین مستقل اور دو فوری مسئلوں کو مشورے کے لئے پیش کیا :

اولاً --- یہ کہ نظرِ ثانی کر لی جائے کہ آیا میرے بعد بھی تنظیم کا قیام بیعت ہی کی بنیاد پر قائم رہنا چاہئے' یا اس کے ضمن میں مروّجہ جمہوری و دستوری نظام اختیار کر لیا جائے؟ اس سلسلے میں مَیں نے دو باتوں کی وضاحت بھی کی کہ (i) میں نے اگرچہ ہمیشہ نظامِ بیعت ہی کو "واحد منصوص' مسنون اور ماثور" طریقہ تو عزم و جزم کے ساتھ قرار دیا ہے (اور بحمد اللہ اب بھی اس رائے پر قائم ہوں۔) لیکن مروّجہ نظاموں کو بھی "مباح" قرار دیا ہے' حرام نہیں! اور (ii) کسی تحریک کے داعیٔ اول کے بعد اس کی دعوت پر جمع ہونے والے جملہ لوگ اپنی اپنی متفاوت و متفرق ذہنی' فکری اور عملی صلاحیتوں کے علی الرغم اس اعتبار سے "برابر" ہوتے ہیں کہ سب ہی "اعوان و انصار" ہوتے ہیں' داعی و مؤسّس نہیں!

ثانیاً --- یہ کہ تنظیم کے نظام العمل کی دفعہ ۲ شق (ا) میں میری جانشینی کے ضمن میں جو دو متبادل صورتیں درج ہیں' ان میں سے کس صورت کو اختیار کرنے میں دین اور تنظیم کی مصالح کا پلڑا بھاری ہے؟

ثالثاً --- یہ کہ اگر رائے "نامزدگی" کے حق میں ہو تو آیا اس کا اعلان بھی کر دیا

جائے یا اسے وصیت کی صورت میں تحریر کرنے پر اکتفاء کی جائے؟

فوری مشورہ طلب مسائل میں سے ایک نائب امیر کے فی الفور تقرر کے لئے استصواب تھا جس کے ضمن میں میں نے صراحت کر دی تھی کہ نائب امیر کی موجودہ تقرری اور آئندہ کے جانشین کی نامزدگی بالکل جدا معاملات ہیں' اور دوسرے یہ کہ میں اپنے گھٹنوں کا بڑا آپریشن کرالوں یا نہیں؟

الحمدللہ کہ اس اجتماع کے 90 فیصد شرکاء نے پورے شرح صدر کے ساتھ میرے بعد تنظیم کے لئے بیعت ہی کی اساس کو برقرار رکھنے اور نظام العمل کی دفعہ ۲ شق (ا) کو جوں کا توں قائم رکھنے کا فیصلہ کیا۔

دوسرے سوال کے ضمن میں 91 فیصد شرکاء کی رائے نامزدگی کے حق میں تھی۔

البتہ تیسرے سوال کے جواب میں آراء کا "انقسام" نمایاں تھا۔ یعنی جبکہ صرف 34 فیصد رفقاء اس کے حق میں تھے کہ اسے مخفی وصیت کی صورت دی جائے' وہاں 53 فیصد رفقاء اعلان کے حق میں تھے اور 13 فیصد نے کسی رائے کے اظہار سے معذوری ظاہر کی۔

مشاورتِ باہمی کے اس مرحلے کے بعد میں نے کچھ عرصہ مزید غور و خوض کے بعد حتمی فیصلہ کر لیا کہ :

(ا) میرے بعد بھی تنظیم کا نظام بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف کے اساس ہی پر قائم رہے گا۔

(۲) میں اپنا جانشین خود نامزد کروں گا۔

(۳) البتہ اسے میں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق کہ "کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی قابلِ وصیت شے ہو تو اس پر دو (یا تین) راتیں بھی اس حال میں گزریں کہ اس کی وصیت تحریری شکل میں موجود نہ ہو"۔ (بخاریؒ، مسلمؒ وغیرھم عن عبداللہؓ ابن عمرؓ) ہر وقت وصیت کی شکل میں اپنے یا اپنی اہلیہ کے پاس رکھوں گا یا ہم دونوں کے سفر کی صورت میں یہ وصیت

رفیق محترم سراج الحق سید صاحب کی تحویل میں رہے گی، جو گویا تاحینِ حیات ہماری اس چھوٹی سی "اُمّت" جو "UMMAH WITHIN UMMAH" کی مصداق ہے، کے "امین" رہیں گے۔

(۴) میں اپنی اس وصیت کے ضمن میں آئندہ کے حالات اور نئے شامل ہونے والے حضرات کے اعتبار سے مسلسل نظرثانی کرتا رہوں گا۔ اور ضرورت محسوس ہوئی تو وقتاً فوقتاً ردّوبدل کرتا رہوں گا۔

(۵) اس غور و فکر کے ضمن میں میں نے پہلے بھی صرف سید سراج الحق صاحب سے مشورہ اور مدد حاصل کی ہے اور وہی آئندہ بھی اس سلسلے میں میرے مستقل مشیر رہیں گے اور انہیں رفقاء سے متعلق جملہ مطلوبہ معلومات فراہم کرتے رہنا نائب امیر کی ذمہ داری ہوگی۔

فوری مسائل کے ضمن میں، جیساکہ سب کو معلوم ہے، اسی اجتماع میں میں نے عزیزم ڈاکٹر عبدالخالق کو تنظیم کے مستقل نائب امیر کی حیثیت سے مقرر کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ البتہ اپنے آپریشن کے بارے میں فیصلے کو مؤخر رکھا تھا جو تاحال مؤخر ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد
امیر تنظیم اسلامی
۲۴/ اگست ۱۹۹۵ء مطابق ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

بقیہ : عرض احوال

... اور ہمیں یقین ہے کہ قارئین بھی ہماری مجبوری کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ فیصلہ ناگزیر تھا۔ ... دو سالوں کے دوران کاغذ کی قیمت میں ۹۰ فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ طباعتی اخراجات میں ... ۴۰ فیصد کے قریب ہے۔ چنانچہ ہمیں یہ طے کرنا پڑا کہ نومبر ۹۵ء سے میثاق کی فی شمارہ قیمت ... روپے اور سالانہ زرِ تعاون -/۱۰۰ روپے ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ قارئین اس فیصلے کو ... سے قبول فرمائیں گے۔ ○○

أحمده واصلّي علیٰ رسوله الكريم

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیمِ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

ويبقىٰ وجهُ ربك ذو الجلال والاكرام

وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ما حَقُّ امرئٍ مسلمٍ لهٗ شیءٌ یریدُ اَن یُوصِیَ بهٖ اَن یبیتَ لیلتَین اِلّا ووصیتُهٗ مکتوبَةٌ عنده" (بخاری، مسلم، موطا، ترمذی، ابوداود، نسائی عن عبداللہ بن عمرؓ)

میں (ڈاکٹر) اسرار احمد، داعی و مؤسس و امیر تنظیم اسلامی

آج مورخہ ۲۴ اگست ۹۵ء مطابق ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

بقائمی ہوش و حواس اللہ کو حاضر ناظر جانتے ہوئے اور امکانی حد تک غیر جانبداری اور معروضیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے

کو بحیثیت امیر تنظیم اسلامی پاکستان اپنا جانشین نامزد کرتا ہوں

اور یہ وصیت سراج الحق سید صاحب کے حوالے کرتا ہوں تاکہ پیش آمدہ سفر کے دوران میرے انتقال کی صورت میں اسے تنظیم کی مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس میں پیش کر دیں اور میری بخیر و عافیت واپسی کی صورت میں بجنسہٖ میرے حوالے کر دیں۔

فقط۔ والسلام علی الّذین یستمعون القولَ فیتّبعُونَ أحسنه‘

عبد الله الحقير والى ما ينزل اليه ربّهٗ من خير لفقير

(ڈاکٹر) اسرار احمد

تہذیبُ الاَطفال

بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

نحمده ونصلى على رسوله الكريم –
اما بعد فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم –
بسم اللّٰه الرّحمٰن الرحيم : قال اللّٰه تعالٰى عزوجل :
يٰايُهَا الذِيْنَ آمنوْا قُوْا انْفُسَكُمْ وَاَهْلِيكُمْ نارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰئِكَة غِلَاظٌ شِدَادٌ لاَ يَعْصُونَ اللهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ___ وقال رسول اللّٰه صل اللّٰه عليه وسلم : كلُّ مولودٍ يُولد على الفطرةِ فابواه من يُهوِّدانه أو يُنَصِّرانه أو يُمَجِّسانه– أوكما قال رسول اللّٰه صل اللّٰه عليه وسلم –

سورۃ التحریم کی اس آیت مبارکہ اور حدیث نبوی کا ترجمہ کچھ یوں ہے : "اے ایمان والو
پنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے (جہنم کی) بچانے کی فکر کرو جس کا ایندھن انسان
ہی جیسے) اور پتھر ہوں گے۔ اس آگ پر اللہ تعالیٰ نے ایسے داروغہ (فرشتے) مقرر کئے ہیں جو
ائی تند خو اور سخت گیر ہیں۔ وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہی کچھ کرتے ہیں
کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے پس یہ تو اس کے
رین ہیں جو اس کو (بعد میں) یا تو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصاریٰ (یعنی عیسائی) اور یا پھر مجوسی۔"

تہذیب الاطفال پر گفتگو کے آغاز سے قبل مناسب ہو گا کہ پہلے ہم تہذیب الاطفال کا مفہوم
لیں۔ هَذَّبَ - يُهَذِّبُ کے معنی ہیں پاکیزہ کرنا' درست کرنا۔ اور "اَطفال" طفل کی جمع
جس کا مطلب ہے بچہ۔ "تہذیب الاطفال" کا مطلب ہوا: بچوں کو پاکیزہ بنانا یا بچوں کے اعمال

وافعال درست کرنا۔ تو مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی رو سے اولاد کو آگ سے بچانے سے مراد یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کی رہنمائی کریں سیدھی راہ دکھانے میں' اور ان کی دینی تربیت کے ذریعے انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کی سعی کریں۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران کی ایک آیت میں نقشہ کھینچا گیا: ﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ "کہ تم سب آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس (اللہ) نے تمہیں اس آگ سے بچایا"۔ نبی اکرم ﷺ نے جس طرح مسلسل ۲۳ برس شدید مشقتیں جھیل کر اور ہر قسم کی ذہنی اور جسمانی ایذائیں سہ کر اپنی قوم کو آگ میں گرنے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی بالکل اسی طرح والدین کا فرض بنتا ہے کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ کے قرآنی حکم کی تعمیل میں خود کو اور اپنے بچوں کو دوزخ کی بھڑکتی آگ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں' کیونکہ اولاد سے بڑھ کر والدین کو شاید ہی کوئی اور چیز محبوب ہو' تو اپنی اولاد کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں نارِ جہنم سے بچانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

اس حدیث مبارکہ کی رو سے جس کا ذکر مضمون کے آغاز میں آیا تھا' ہر بچہ کاغذ کے ایک سفید ورق کی مانند بالکل صاف ستھرا ذہن اور فطرت سلیمہ لے کر پیدا ہوتا ہے' اب یہ والدین کی مرضی ہے کہ وہ اس سفید کاغذ میں جو رنگ چاہیں بھر دیں۔ کانوں میں اذان اور اقامت کہہ کر مسلمان بنائیں یا پھر بپتسمہ وغیرہ دے کر عیسائی اور یہودی مجوسی بنائیں۔ ذہن میں رکھیں کہ اولاد کا معاملہ انتہائی نازک ہوتا ہے' کیونکہ یہی اولاد آپ کے لئے باعثِ رحمت یعنی صدقہ جاریہ کی صورت بھی بن سکتی ہے اور باعثِ زحمت یعنی دنیا اور آخرت میں عذاب کی صورت بھی بن سکتی ہے۔ (اعاذنا اللّٰہ منہا)

میں یہاں ولادت سے لے کر بلوغت اور شادی تک کے مختلف مراحل کو آپ کے سامنے چار عنوانات کے تحت پیش کروں گی اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں ایک صحیح دینی طرز عمل کی تفصیل آپ کے سامنے رکھوں گی تاکہ ہم خود بھی انفرادی طور پر نبی اکرم ﷺ کے صحیح امتی کہلانے کے مستحق بن سکیں اور ہماری اولاد سے بھی ایک مسلمان معاشرہ تشکیل پائے کیونکہ فرد سے خاندان بنتا ہے اور خاندان سے معاشرہ۔ اور معاشرہ اگر دین پر قائم ہو تو کیا کہنا! وہ چار عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) ولادت سے تکمیلِ رضاعت تک

(۲) آغازِ کلام سے ۹ سال کی عمر تک

(۳) دس سال کی عمر سے بلوغت تک

(۴) نکاح

ولادت سے تکمیلِ رضاعت تک کا دور

جیسے ہی بچہ اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے اس کے والدین یا اقرباء جو بھی موجود ہوں اپنے اپنے مذہب اور رواج کے مطابق بچے کے کان میں کچھ کہتے ہیں، منہ میں کچھ ڈالتے ہیں، کوئی مشروب چٹاتے ہیں یا کسی اور اپنے طریقے سے بچے کو اپنے مذہب میں شامل کرتے ہیں۔ بچہ چونکہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، پیدائشی طور پر اس کی پیشانی پر کہیں اس مذہب کا نام کندہ نہیں ہوتا جو مذہب کہ اس کے والدین یا برادری کا ہوتا ہے، لہٰذا پوری دنیا میں بچوں کے بارے میں یہ بات گویا طے شدہ سمجھی جاتی ہے کہ والدین اپنے اپنے بچوں کو اپنے مذہب کے مطابق ڈھال لیں۔ بہرکیف دیگر مذاہب سے قطع نظر اسلام کی رو سے کہ جو دین حق ہے، ایک مسلمان والدین کا جو طرز عمل بچے کی ولادت کے موقع پر ہونا چاہئے وہ نبی اکرم ﷺ کے فرمودات کی روشنی میں سمجھنا ہے۔

(۱) __اذان__ : بچے کے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہی جاتی ہے۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ((رایتُ رسولَ اللّٰہ ﷺ اذن فی اذن الحسین حین ولدتہ فاطمۃ)) "ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب حضرت فاطمہؓ کے ہاں حسینؓ کی ولادت ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے کان میں اذان دی۔"

(۲) __گھٹی__ : دوسرا مرحلہ جو فوراً درپیش ہوتا ہے وہ گھٹی کا ہوتا ہے۔ گھٹی بھی کسی معتبر خاتون یا مرد سے دلوانی چاہئے۔ اور خدا کا نام لے کر دینی چاہئے۔ حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں : ((وُلدلی اللیل غلام فاتیتُ بہ النبیّ ﷺ فسماہ ابراھیم وحنکہ تمرۃ)) "کہ ایک رات میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا، میں اس کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچا تو آپؐ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کو کھجور کی گھٹی دی"۔ کھجور کی گھٹی دینے کا مطلب یہ نہیں کہ پوری کھجور منہ میں ڈال دی، بلکہ اس کو اچھی طرح چبا کر تھوڑی سی اس بچے کے تالو کے ساتھ لگا دی۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں مسلمان بچوں کو کیسی بہترین گھٹی نصیب ہوا کرتی تھی!!

(۳) عقیقہ + سرمنڈوانا : نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ((کلّ غلامٍ رھینٌ بعقیقتہٖ تُذبَح عنہ یومَ السابع ویُحلَق راسہ ویسمّٰی)) "ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ بندھا ہوتا ہے' اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے اور بچے کا سر منڈوایا جائے اور اس کا نام رکھا جائے"۔۔۔۔یعنی بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے بچوں کے خود بھی عقیقہ کئے ہیں اور امت کو بھی ترغیب دلائی ہے۔ اگرچہ یہ فرض تو نہیں ہے لیکن مستحب صدقہ ضرور ہے۔ باحیثیت آدمی کو عقیقہ ضرور کرنا چاہئے۔ لیکن غریب آدمی پر کوئی قید نہیں۔ حدیث میں یہ ترغیب بھی دی گئی ہے کہ ساتویں دن عقیقہ وغیرہ کر لینا چاہئے۔ لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک بکرا مسنون ہے۔ اگر کوئی عذر آڑے نہ آئے تو ساتویں دن کریں کیونکہ مسنون یہی ہے۔ مسلمانوں کے حال پر افسوس ہوتا ہے کہ باقی تمام رسوم اور بدعات میں ہم انگریزوں یا ہندوؤں کی تقلید بڑے اہتمام سے کرتے ہیں۔ سالگرہ کریں گے تو خواہ ہزار مجبوریاں آڑے آئیں لیکن ہر سال اسی تاریخ پر ضرور سالگرہ منائی جائے گی۔ کوئی ہندوانہ رسم کرنا ہو تو لازماً ہندوؤں کی کامل تقلید کریں گے' لیکن نبی اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی کی جب بات آتی ہے تو ہزار رکاوٹیں ہمیں نظر آنے لگتی ہیں۔ گویا ہر غیر شرعی کام ہمارے لئے آسان اور قابل قبول ہوتا ہے اور شرعی کام اور مسنون عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' ہمیں از حد مشکل اور ناقابل عمل محسوس ہوتا ہے۔ ہماری صورت حال پر شعر بالکل صادق آتا ہے کہ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

لہٰذا معاملہ عقیقہ کا ہو یا ختنہ کا' نام کا ہو یا بال اتروانے کا' ہمیں ضرور سوچنا چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان تمام اسلامی رسومات کے ضمن میں اگر کسی تعداد کا یا وقت کا تعین کیا ہے تو اس تعین میں ضرور کوئی حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہے۔ اول دن سے ہی نبی اکرم ﷺ کے اسوہ پر اگر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ بچہ صحیح رخ پر پروان چڑھے گا۔ اور اس کی دینی تربیت کے لئے مضبوط بنیاد فراہم ہو جائے گی۔

(۴) ختنہ : یہ سنتِ ابراہیمی ہے۔ اور اس کے بارے میں بھی صراحت ملتی ہے کہ یہ ساتویں دن ہو جانا چاہئے۔ حدیث مبارکہ ہے ((عقّ رسولُ اللہ ﷺ عن الحسن والحسین وختنھما لسبعۃ ایام)) "نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسن اور اور حسین کا عقیقہ اور ختنہ ساتویں روز کیا۔" ہاں اگر کوئی مجبوری اچانک آجائے تو اس کام کو مؤخر کیا

جاسکتا ہے۔

(۵) نام رکھنا : باقی تمام مسائل میں سے زیادہ نازک تر مسئلہ یہ ہے کہ نام کیا رکھا جائے! اب تک کے سارے کام تو زندگی میں ایک ایک دفعہ ہی ہوتے ہیں جبکہ نام وہ چیز ہے کہ جس سے انسان کو اس وقت تک واسطہ رہتا ہے جب تک کہ آدمی قبر میں نہ چلا جائے یہاں تک کہ جنت میں بھی (ان شاء اللہ) انہی ناموں سے پکارا جائے گا (حدیث) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((وُلدلی اللیل غلامٌ فسمیتُہ باسمِ ابی ابراھیم))"کہ رات میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم کے نام پر رکھا"۔ لہٰذا مسلمان والدین کے لئے ضروری ہے کہ ناموں کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی انتہائی اچھے اور بامعنی نام رکھے اور امت کو بھی اچھے اور بامعنی نام رکھنے کی تلقین کی۔ یہاں تک کہ آپؐ نے ان صحابہ کرام یا صحابیات کے نام بھی بدل ڈالے جو کہ قبل از اسلام رکھے گئے تھے اور شرکیہ مفہوم کے حامل تھے اور ان کے نام بھی تبدیل کر دیئے جن کے ناموں کا مفہوم غلط قسم کا تھا۔ مثلاً عاصیہ کی جگہ جمیلہ 'عبدالعزیٰ کی جگہ عبدالرحمٰن اور برہ کی جگہ زینب رکھ دیا۔ اسی طرح شہاب کی جگہ ہشام اور حزن کی جگہ سہل تجویز فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ تلقین بھی فرمائی کہ اچھے نام رکھ لینے کے بعد اس نام کا احترام بھی ملحوظ رہنا چاہئے۔ آپؐ نے فرمایا : ((تسمونھم محمدًا ثم تلعونھم))"تم بچوں کے نام محمد رکھ بھی لیتے ہو پھر ان کو لعنت ملامت بھی کرتے ہو۔" ایک اور حدیث سے بھی ہمیں اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے :

((عن ابی وھب عن النبی ﷺ قال تسموا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللہ عزوجل عبداللہ وعبدالرحمن واصدقھا حارث وھمام واقبحھا حرب ومرۃ))۔ (الادب المفرد وجمع الفوائد بحوالہ ابوداؤد ونسائی) "ابو وہب نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا : نبیوں کے نام پر (اپنے بچوں کے) نام رکھو۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور پیارے نام حارث اور ہمام ہیں اور نہایت ناپسندیدہ نام حرب اور مُرہ ہیں۔" یہاں ایک چھوٹی سی حدیث میں ہمیں ناموں کے بارے میں مکمل رہنمائی مل گئی۔ اگر لڑکوں کے نام نبیوں اور صحابہ کے نام پر ہوں تو اسی مناسبت سے لڑکیوں کے نام صحابیات اور امہات المومنین کے ناموں پر رکھنے چاہئیں۔ لڑکوں کے نام (اللہ کے ہاں پسندیدہ) عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہوں تو لڑکیوں کے لئے اسی مناسبت سے پہلے "عبد" کی بجائے "اَمَۃ" کا لفظ لگا دیا جائے۔ حارث اور ہمام کے مطلب اچھے

ہیں۔ لہٰذا اگر نبیوں کے' صحابہ کرام' اور امہات المومنین یا صحابیات کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام نہ بھی رکھے جائیں تو پھر ایسے نام رکھنے چاہیں جس کے معنی اچھے ہوں۔ حارث کا مطلب ہے کھیتی باڑی اور محنت سے کمائی کرنے والا۔ اگر حلال ذرائع سے روزی کمارہا ہے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر آخرت کمانے میں لگا ہوا ہے تو کیا ہی کہنا! ہمام پختہ ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ایک کام کے بعد دوسرے کام کو شروع کرنے والا اور ارادہ کرنے والا---- جبکہ حرب اور مرہ کے مطلب اچھے نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ نام نہ رکھے جائیں۔ حرب کا مطلب ہے جنگ اور مُرّہ کا مطلب ہے کڑوا۔ اسی طرح کافر و مشرک لوگوں کے نام مثلاً ابو جہل' ابولہب' عتبہ وغیرہ نہیں رکھنا چاہئیں۔ لیکن ہم مسلمانوں کا معاملہ یہاں بھی الٹا ہی ہے کہ نام رکھتے ہیں تو اداکاروں اور اداکاراؤں کے' جن میں سے اکثر طوائفوں کے طبقے سے ہوتی ہیں' اور یا پھر غیر مسلموں کے سے نام یا پھر ایسے نادر اور انوکھے نام رکھتے ہیں کہ جو کسی کان نے نہ سنے ہوں' ان کے معنی خواہ کیسے ہی ناپسندیدہ کیوں نہ ہوں۔

ایک اور حدیث میں بھی نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ناموں کے بارے میں محتاط رہنے کی تلقین فرمائی ہے : ((قال رسولُ اللّٰہ ﷺ انکم تُدعَون یوم القیامۃ باسماء کم واسماءِ آباءِ کم فاحسنوا اسماءَ کم)) (ابوداؤد' عن ابی الدرداء) "نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ قیامت کے روز اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے پکارے جاؤ گے لہٰذا اچھے نام رکھا کرو"۔

یوں تو اولاد کی ذمہ داری ماں اور باپ دونوں پر عائد ہوتی ہے لیکن مرد و عورت کے دائرۂ کار کے اعتبار سے دونوں کی ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں' چونکہ میرا اصل تخاطب مسلمان خواتین سے ہے اور ایک حدیث کی رو سے بھی (جس کا تفصیلی ذکر ابھی آگے آئے گا) بچوں کے معاملے میں مسلمان عورت یعنی ماں کی ذمہ داری مرد کی نسبت زیادہ ہے' لہٰذا یہاں "تہذیب الاطفال" کے زیر عنوان اصلاً والدہ کا کردار ہی زیر بحث آئے گا۔ اب وہ حدیث سن لیجئے! نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((کلکم راعٍ و کلکم مسئولٌ عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃٌ علٰی بیتِ زوجِھا ووَلدِہ)) (متفق علیہ) "تم میں سے ہر ایک گلہ بان (نگران) کی مانند ہے اور تم سب سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے (لہٰذا اس سے اس کے بچوں کے بارے میں قیامت کے دن پوچھ گچھ ہو گی)"۔ بچوں کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دینے میں اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے لئے جن

مناسبِ حال اعلیٰ اخلاقی اوصاف اور جذبات کی ضرورت ہوتی ہے وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ رکھ دیئے ہیں۔ صبرو تحمل، برداشت، ایثار و قربانی، رحمدلی، دلسوزی، نرمی، محبت اور شفقت جیسی بنیادی خوبیاں مرد کے مقابلے میں عورتوں کے اندر زیادہ رکھی گئی ہیں تاکہ بہترین کھاد پڑنے پر بہترین فصل تیار ہو۔ یہ اوصاف جن کے مجموعے کو ہم ماماتا کا نام دیتے ہیں، اللہ نے ہر عورت میں، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، کم وبیش ودیعت کر دیئے ہیں۔ لیکن اسلام سے محروم ایک ماں بچے کی پرورش سے متعلق جو کچھ سوچتی ہے یا سوچ سکتی ہے وہ اسی دنیا تک محدود ہوتا ہے۔ موت کی سرحد سے پار اس کی نگاہ یا اس کی سوچ نہیں پرواز کرتی، لہٰذا اس کی تمام تر توجہ اسی طرف رہتی ہے کہ بچے کو اچھا کھلاؤں، اچھا پہناؤں، اچھا پڑھاؤں، ایسی تربیت کروں کہ وہ دنیاوی طور پر ترقی کرے، میری امنگوں کا امین بن کر بڑھاپے میں میرا اسہارا بن سکے۔ غرض یہ کہ اپنی اولاد کو دنیاوی لحاظ سے کامیاب ترین بنانے کی خواہش ہر اس ماں کی ہوتی ہے جو آخرت سے بے خبر ہو یا اسے فراموش کر چکی ہو۔ لیکن ایک سچی مسلمان خاتون کا طرزِ عمل اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ اولاد کو خدا کی امانت اور اپنی آزمائش کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کی دنیاوی ضرورت کا خیال بھی رکھتی ہے لیکن دنیا میں رہتے ہوئے اصلاً بچوں کی آخرت کی کامیابی کے لئے کوشاں ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلم اور غیر مسلم خاتون میں چاہے ماماتا کا جذبہ برابر ہی ہو لیکن تربیت کے انداز مختلف ہوں گے۔ مسلمان ماں اپنے بچوں کے لئے حدیث کی رو سے "راعیہ" یعنی نگران ہو گی کہ اس کے بچے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے پائیں اور آئندہ اس کے لئے صدقہ جاریہ بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے روز اس سے اولاد کے بارے میں پوچھے تو سرخرو ہو سکے۔

اچھی تربیت کے لئے لازم ہے کہ عورت گھر میں رہے۔ اسی لئے قرآن میں ہے :
﴿وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ﴾ کہ اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ((ایما امرأۃٍ قعدت علٰی بیتِ اولادھا فھی معی فی الجنۃ)) (کنز العمال) "کہ جو خاتون اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے گھر میں بیٹھی رہی وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گی"۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((علیکنّ بالبیتِ فانہ جہاد کنّ)) (مسند احمد) کہ گھروں کی دیکھ بھال تمہاری ذمہ داری ہے، یہی عمل تمہارا جہاد ہے، یعنی تمہارے لئے جہاد کے قائمقام ہے۔ دورِ حاضر کے عظیم مغربی مفکر آرنلڈ ٹائن بی لکھتے ہیں :

"تاریخ انسانی کے وہی ادوار تنزل و انحطاط کا شکار ہوتے ہیں جن میں عورت نے اپنا قدم گھر کی چار دیواری سے باہر نکالا"۔

ڈاکٹر جوڈ لکھتے ہیں کہ "مجھے کامل یقین ہے کہ اگر عورتیں اپنے گھروں کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش کرنے ہی کی ذمہ داری پر مطمئن اور قانع ہو جائیں تو یہ دنیا جنت نشان بن جائے"..... سوچنے کی بات ہے کہ ان مغربی مفکروں کی سمجھ میں بھی آج یہ بات آ ہی گئی جس کی تعلیم چودہ سو سال قبل نبی اکرم ﷺ نے دی تھی کہ عورت بچوں کی نگران اور شوہر کے گھر اور اس کی امانتوں کی محافظ ہے۔ لہٰذا ولادت سے رضاعت تک کا دور وہ ہے جس میں بچہ پوری طرح اپنی ماں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ عام طور پر بچے کی تربیت کے اعتبار سے اس دور کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ رضاعت کے دور میں بھی بچہ ماں سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ اس کی کُل کائنات اس کی ماں ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

آغوشِ مادر ہے اسکول پہلا جہاں تربیت پاتے ہیں سارے اعضا
جہاں لوحِ سادہ پہ کھنچتا ہے نقشہ اترتا ہے ماں کے خیالوں کا چہرہ

اس بات کی وضاحت اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ شکاگو کے مشہور ماہر تعلیم فرانسس وے لینڈ پارکر بچوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں لیکچر دے رہے تھے۔ جب لیکچر دے کر فارغ ہو گئے تو ایک خاتون ان کے پاس آئیں اور کہا کہ "سر! مجھے بتائیں کہ میں اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کب سے شروع کروں؟" انہوں نے پوچھا "کہ تمہارے ہاں ولادت کب تک ہونے والی ہے؟" خاتون نے کہا کہ سر' میرا بچہ تو پانچ سال کا ہو گیا ہے! تو وہ بولے "بہت افسوس ہے خاتون! آپ یہاں کھڑی وقت ضائع کر رہی ہیں' حالانکہ آپ اپنے بچے کے ابتدائی قیمتی پانچ سال پہلے ہی ضائع کر چکی ہیں!!"۔

مسلمان بچوں کے کان میں اذان اور اقامت کہنے کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس دنیا میں بچے کی آنکھ کھلتے میں خدائی کی کبریائی اور عظمت کا اعلان اس کے رگ و پے میں سرایت کر جائے۔ اور شیطان جو انسان کے خون میں سرایت کر جانے کے لئے گھات لگائے بیٹھا ہوتا ہے وہ بھی اللہ کا نام سن کر بھاگ جائے ..... لہٰذا مسلمان ماؤں کا فرض ہے کہ ان ابتدائی سالوں میں بچوں کے کانوں میں میوزک اور موسیقی کا بیٹھا زہر گھولنے کی بجائے' اور واہیات قسم کے فلمی گانوں یا انگریزی میوزک کی بجائے (جو عام طور پر مائیں گھر کے کام کاج کرتے وقت بہلانے کے لئے بچوں کے کانوں کے ساتھ لگا دیتی ہیں تاکہ بچہ سنتا رہے اور خاموش رہے) اپنے بچوں کو آیاتِ قرآنیہ

اور تلاوتِ قرآن پاک سنانے کا اہتمام کریں۔ بچوں کو دودھ پلاتے وقت اگر ماؤں کی زبان پر قرآنی آیات یا مسنون دعائیں ہوں گی تو جسمانی خوراک کے ساتھ ساتھ بچوں کی روحانی خوراک کا بھی بھرپور اہتمام ہو گا۔ اس طرح یہ کلیاں جوں جوں کھلتی جائیں جسم کے ساتھ ساتھ روح بھی توانا ہوتی چلی جائے ----- یہ ذہن میں رکھیں کہ آپ کے بچے روحانی اور جسمانی طور پر توانا اسی وقت ہوں گے جب آپ خود بھی دین کے احکامات پر کاربند ہوں گی' وگرنہ بچوں کے حق میں آپ کی خالی خولی دعائیں بھی بے اثر ثابت ہوں گی۔ بچوں سے نیک توقعات وابستہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ خود بھی نیکی کی راہ پر گامزن ہوں! (جاری ہے)

KT
KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

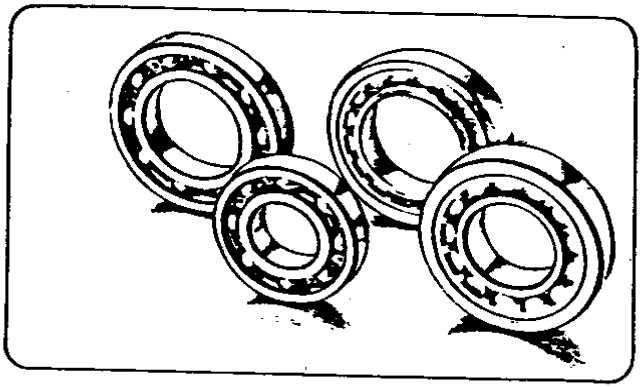

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVI

ہدایات برائے رفقائے تنظیم

☆ براہ کرم اپنی آمد سے استقبالیہ کو مطلع کیجئے اور تعارفی کارڈ حاصل کر کے اپنے سینے پر آویزاں کیجئے۔

☆ استقبالیہ کی طرف سے آپ کے لئے جو رہائش گاہ متعین کی جائے وہیں پر قیام اختیار کیجئے۔ اگر کسی وجہ سے رہائش گاہ کی تبدیلی ناگزیر ہو تو اس کے لئے ناظم رہائش گاہ سے رجوع کیجئے۔

☆ اجتماع میں آپ کی ہمہ وقت شرکت لازمی ہے۔ اگر کسی وقت اشد ضرورت کے تحت آپ کو اجتماع سے غیر حاضر ہونا پڑے تو اپنے امیر سے اس کی اجازت حاصل کیجئے اور استقبالیہ پر اپنے جانے اور واپس آنے کی اطلاع دیجئے۔

☆ کسی بھی ایسی ناشائستہ بات سے پرہیز کیجئے جس سے اجتماع کا پاکیزہ ماحول غیر سنجیدہ یا غیر پسندیدہ ہونے کا امکان ہو۔

☆ اپنے تمام معاملات کو انجام دیتے وقت سنت نبویؐ کو پیش نظر رکھئے اور مختلف مواقع کے لئے مسنون دعاؤں کا پڑھنا اپنے معمولات میں شامل کیجئے۔

☆ اجتماع کے تمام پروگراموں میں پوری دلچسپی، حصول علم اور طلب ہدایت کی نیت سے شریک ہوں اور بھرپور استفادہ کے لئے کاپی پنسل اپنے ساتھ رکھیں۔

☆ اجتماع کے کسی بھی پروگرام پر دیگر ضمنی کاموں کو ترجیح نہ دیجئے تاکہ آپ جس مقصد کے لئے اجتماع میں تشریف لائے ہیں وہ بھرپور طریقے سے پورا ہو سکے۔

☆ محفل کے آداب کا بطور خاص خیال رکھئے۔ اجتماع گاہ میں بے ترتیب اور ٹکڑیوں کی شکل میں نہ بیٹھیں بلکہ مل کر اور متوجہ ہو کر بیٹھئے۔

☆ موسم کے مطابق بستر اور ذاتی استعمال کی ضروری اشیاء ہمراہ لائیں۔

☆ کھانے کا انتظام ہر حلقہ کیلئے مقرر رہائش گاہ میں ہو گا۔ لہٰذا تمام شرکاء اجتماع کیلئے ضروری ہو گا کہ اپنے کھانے کیلئے برتن (پلیٹ، کپ، چمچ وغیرہ) لازماً ساتھ لے کر آئیں۔

☆ اس اجتماع کے لئے زر طعام =/75 روپے فی کس مقرر ہوا ہے۔

منجانب : عبدالرزاق، ناظم اجتماع

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg No L. 7360
Vol. 44 No. 10
Oct. 1995

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوھر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

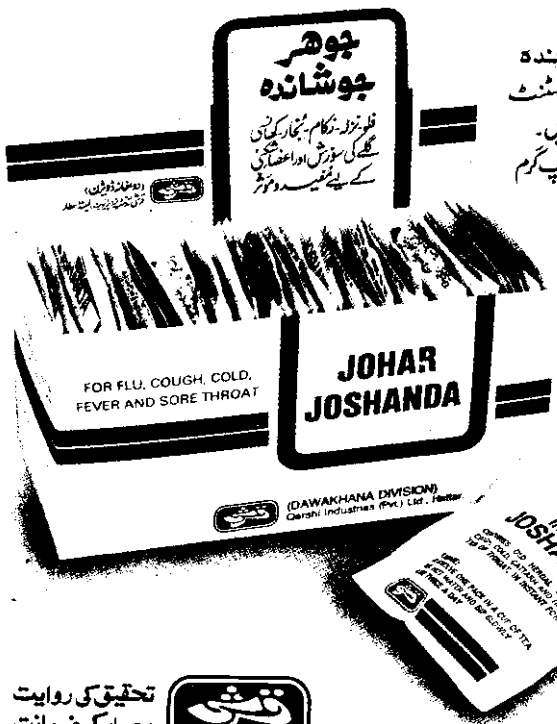

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوھر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیب استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوھر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوھر جوشاندہ
استعمال کریں۔

قرشی
تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج

Interflow